اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاولپور
مسئول: احسن خدامی 0320-4902150
مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

شمارہ ہذا: 35......زرسالانہ: 300 روپے

ترتیب

عنوان	مصنف	صفحہ
حرمین کی بہاریں (نظم)......	احسن خدامی......	ٹائٹل ۲
اک جوہر نایاب کا تذکرہ......	مولانا زین العابدین	2
کچھ دیر حدیث کے ساتھ......	مولانا ابو الحسن	7
مکتوب بنام عمار خان ناصر......	مولانا مفتی تقی عثمانی	10
دو منظر......................	مولانا احسن خدامی	15
ارباب الشریعہ کی خدمت میں!	حافظ محمد اسامہ مکی	17
نمازِ نبوی سے اختلاف......	مولانا رب نواز......	21
دیوبندی، بریلوی اختلاف اور..	محمد زبیر سعیدی......	24
مشاہدات بجواب شواہدات	احسن خدامی......	31
قارئین کا انتخاب..............	محمد ازہر حسین حقانی	37
قارئین کی آراء..............	قارئین صفدر......	39

گوشۂ خاص: بیاد مولانا اصلح الحسینیؒ

عنوان	مصنف	صفحہ
گوشۂ خاص مولانا اصلح حسینیؒ	حمزہ احسانی..........	41
تاثرات..........................	مولانا شفیق بستوی	45
تاثرات..........................	مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ	46
سفر آخرت......................	مولانا زین العابدین	48
روشنی کے مینار..............	مولانا ساجد	52
یادگارِ اکابر....................	مولانا تنویر شریفی	64
یادگارِ زمانہ....................	مولانا احسان الحق	70
ایک ستون اور گرا............	محمد فاروق قریشی	74
مولانا اصلح سے ایک ملاقات	مولانا امیر جان......	77
اخبارات ورسائل کی نظر میں......	مولانا زین العابدین	80

پیامِ صفدر مولانا سید زین العابدین

حضرت شیخ الاسلامؒ کے...... اِک جوہر نایاب کا تذکرہ

''گوشۂ خاص'' کے مرتب مولانا سید زین العابدین کی یہ تحریر بطورِ اداریہ شامل کی جارہی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے اس کائنات میں انسان کو ایک خاص مقصد کے لیے بھیجا اور اپنے کلام میں فرمادیا: ''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ''۔ پھر عبدیت وعبادت کا طریقہ سمجھانے اور اس کی طرف رغبت دلانے کے لیے اپنے برگزیدہ وچنیدہ بندوں ''انبیاء علیہم السلام'' کو انسانوں کی طرف مبعوث فرمادیا، اُن سب کے سردار ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

انبیاء اپنا کام کر کے وقت مقرر پر دنیا سے پردہ فرماگئے اور اپنی دنیوی زندگی ہی میں دوسروں کو مقصد بعثت کے لیے تیار کر گئے، اُنہی تیار ہونے والے افراد در افراد کو کسی دور میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام سے یاد کیا گیا، تو کسی دور میں تابعین کے عنوان سے، کسی دور میں تبع تابعین، اور کسی دور میں بزرگانِ دین، اولیاء اللہ تو کسی دور میں علماء دیوبند کے نام سے جانا گیا۔

علماء دیوبند کا جب ہم نام سنتے ہیں تو اُن کے نام کے ساتھ ساتھ ہر دینی شعبے میں اُن کے کارہائے نمایاں اور ان کی انقلابی خدمات بھی کانوں کی سماعت سے ٹکراتی ہیں اور تاریخ کے سنہرے حروف میں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ کبھی علم قرآن کی حفاظت کے لیے دارالعلوم کی بنیاد رکھتے ہوئے مولانا قاسم نانوتویؒ نظر آتے ہیں، تو کبھی علم فقہ کو محفوظ کرتے ہوئے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نظر آتے ہیں، انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کرتے ہوئے مولانا محمود حسنؒ دکھائی دیتے ہیں تو کہیں خانقاہ میں افرادِ امت تیار کرتے ہوئے مولانا تھانویؒ نظر آتے ہیں، تیسری طرف علم حدیث کے پہاڑ علامہ کشمیریؒ محدثین کی کھیپ بنانے میں مصروفِ عمل دکھائی دیتے ہیں تو دعوت وتبلیغ کی محنت کرتے ہوئے مولانا الیاس کاندھلویؒ نظر آتے ہیں، پھر ان سب صفات کے جامع، شیخ الاسلام مولانا حسین احمدؒ مدنی دلوں پر حکمرانی کرتے ہوئے آج بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

ان تمام ہی مقتدائے اُمت کے ہر عمل میں ان کا مقصود ومطلوب صرف اور صرف ''اللہ کی رضا'' تھا۔

اب آگے چلیے.....! اللہ کے مخلص بندے جب خانقاہوں میں ذکر وفکر، دعا وتسبیح میں مشغول ہوتے ہیں تو اُن کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور جب بڑی بڑی تنخواہوں، اعلیٰ عہدوں کو ٹھکرا کر صبر وقناعت کے ساتھ قرآن وحدیث کا مطالعہ وتدریس اور پرسکون ماحول میں علم دین کی خدمت کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ کی رضا کا حصول ہی اُن کے پیشِ نظر ہوتا ہے، پھر اچانک ایک ایسا موقع آتا ہے

جب وقت کا ظالم پنجہ اللہ کے مظلوم بندوں کی گردنوں کے چاروں طرف اپنا شکنجہ کسنے لگتا ہے اور پھر حالات تقاضا کرتے ہیں کہ ان مظلوموں کی گلوخلاصی اوران کی مدد کی جائے، ایسے نازک حالات میں اللہ کے یہ مخلص اور باشعور بندے اب اللہ کی رضا اس میں دیکھتے ہیں کہ خانقاہ کا گوشہ عافیت، لذتِ سحر گاہی اور درسِ حدیث کا محبوب و پاکیزہ مشغلہ سب کچھ یک قلم چھوڑ کر سر بکف، شمشیر بدست اور کفن بردوش میدانِ کارزار میں نکل کھڑے ہوں کہ اب اللہ کی سب سے بڑی عبادت، رضاء الٰہی کے حصول کا سب سے قریبی اور یقینی راستہ یہی یعنی اللہ کے بندوں کی مدد اور اُن کی دست گیری ہے، اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی اب اسی میں ہے:

''دین کی خدمت کا یہی مطلب نہیں ہے کہ آپ لوگ مدرسہ وخانقاہ میں گوشہ گیر ہوکر کتاب ہی تک منحصر رہیں، مسلمانوں کی اور ملک کی اقتصادی، معاشی نیز سیاسی ترقی بھی دینی فرائض میں شامل ہے''۔(حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی۔مکتوبات جلد اول،ص۱۲)

ہندوستان میں انیسویں بیسویں صدی کے دوران شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے شروع ہوکر شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے مجاہدانہ کردار سے ہوتی ہوئی یہی مجاہدانہ اسپرٹ اور یہی روش اکابر دیوبند کی جماعت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ کے سینوں میں پیوست ہوگئی تھی اور پھر رہبرانِ اُمت کے اِن سپہ سالاروں نے علَم جہاد کی یہ امانت اپنے علمی، روحانی اور سیاسی وارث شیخ الہند مولانا محمودؒ حسن کو سونپ دی اور پھر شیخ الہندؒ نے اس نصیحت اور وصیت کے ساتھ کہ:

''جب تک فتح کامل نصیب نہ ہوجائے اور ہندوستان آزاد نہ ہوجائے ۱۸۵۷ء/ کا علم جہاد سرنگوں نہ ہونے پائے اور جنگ آزادی پورے حوصلے، ہوشمندی اور جاں نثاری کے ساتھ جاری رہے۔''

اپنے عزیز شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسینؒ احمد کو یہ امانت سونپ دی، حضرت مدنیؒ نے اس اِرادے، عزم اور نیت کے ساتھ اپنے محبوب استاذ، علم وجہاد کے مربی کی امانت کوسنبھالا کہ اکابر کی اِس مہم کو کامیابی تک پہنچانا ہے، اور یہ طے کر کے جنگ آزادی کی سنگلاخ وادی میں اتر گئے اور اس شان سے اترے کہ جب ہر قسم کی قربانیوں کے بعد اِس وادی کو طے کر کے ساحل مراد پر کامیابی کے ساتھ قدم رکھا تو جریدۂ عالم پر اپنے عہد کے اس عالم عرفانی اور مجاہد ربانی کا نام چمک رہا تھا اور بھلا کیوں نہ ہوتا حضرت تو:

''ہندوستان کی جہادِ آزادی میں موت کو شہادت کا درجہ دیتے اور قرآن سے اپنے اس دعوے کو ثابت فرماتے تھے۔''(شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ۔مصنفہ مولانا فرید الوحیدی،ص ۶۳ ۷)

پھر جب آزادیٔ وطن کے لیے قربانی دینے اور قید وبند کے مصائب برداشت کرنے کا وقت آیا تو حضرت مدنیؒ ایسے سرفروشانہ انداز میں سرگرم عمل ہوئے کہ شاملی کے جہاد کی صدائے بازگشت دیوبند سے مالٹا تک گونج اُٹھی، وہ ایک کڑی ہے اس عظیم الشان تحریک کی جو بالاکوٹ سے سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں اٹھی

اور شاملی میں خون سے تاریخ رقم کر کے مالٹا کے بیابانوں تک پہنچی، تاریخ میں ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی کہ ایک شخص بیک وقت علمی، روحانی اور سیاسی زندگی کے تمام تقاضوں کو بیک وقت اس طرح پورا کر سکے، جیسے مولانا مدنیؒ نے کیے۔ اس کا راز صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ ان کی ذات میں یہ دونوں زندگیاں ایک ہی مقصد کے تابع تھیں، ان کا عقیدہ تھا کہ جس نے ربّ کائنات سے رشتہ نہیں جوڑا وہ مقصد حیات سے بیگانہ رہا، یہ مقصد ہی رضائے الٰہی ہے جس کی طرف تمہید میں اشارہ کیا گیا ہے۔

جس قدر شدت عزم و ہمت کے ساتھ حضرت مدنیؒ پورے ملک میں دورے کر کے برطانیہ کے خلاف فضا بنا رہے تھے، ہندوستانیوں کے ذہن میں حکومت کے خلاف نفرت اور قربانی کا جذبہ ابھار رہے تھے، حکومت اُسی قدر اُن پر ظلم و سزا کے تیر برسا رہی تھی، چنانچہ جس قسم کی خوفناک سزائیں آپ جھیل رہے تھے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انگریزی حکومت جو رعایتیں دے کر آپ کو راضی کرنا چاہتی تھی، حضرت مدنیؒ اس کو قبول کر لیتے اور بہت سوں کی طرح مصلحت کی خاطر چپ سادھ لیتے، مگر نہیں! سکھ و چین کی زندگی، دنیوی راحتوں کو قربان کر دینے اور ہر لحہ آزمائشوں اور صبر آزما مشکلات کے باوجود آپ اور آپ کی سرکردگی میں آپ کی جماعت، آپ کے ساتھیوں اور آپ کے شاگردوں نے بلا کسی شرط کے انگریز سے مکمل آزادی حاصل کی۔ اور پھر دنیا نے دیکھا اور ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ نے اِس کو اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا کہ حضرت مدنیؒ کے مجاہدانہ کردار نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ظالموں اور جابروں کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا اور سر اُٹھا کر جینا سکھایا۔

وہ کون سا جذبہ تھا؟ کیا اسباب تھے؟ جس نے پرسکون گوشۂ عافیت کو ترک کر کے سمندر کے بپھرے ہوئے طوفان میں کود پڑنے پر حضرت مدنیؒ کو مجبور کیا، اس کی وضاحت کے سلسلے میں مولانا فرید الوحیدی صاحب لکھتے ہیں:

> ''مالٹا سے آنے کے بعد مدینہ طیبہ کا فوری ارادہ تھا اور وہاں سے اعزہ، بھائیوں، تلامذہ اور شاگردوں کا برابر اصرار بھی تھا کہ آپ واپس آ جائیں، مگر حضرت کے نزدیک اس وقت دین وملت قوم و ملک کی خدمت ہندوستان میں زیادہ ضروری تھی۔'' (حضرت مدنی ایک سوانحی و تاریخی مطالعہ)

خود حضرت مدنیؒ کا اس بارے میں کیا تأثر تھا۔ فرماتے ہیں:

> ''جس چیز سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اسی لیے میں نے دور دراز ملک (ہندوستان) میں قیام کرنا پسند کیا ہے، حالانکہ میرا دل مدینہ منورہ، آں حضرت ﷺ، شانِ مدینہ اور برادرانِ عزیز کی یاد میں بے چین رہا کرتا ہے۔''

حضرت مدنیؒ کی کس کس خدمت، کون سی صفت اور کون سے کارنامے کا تذکرہ کیا جائے؟ مختصراً یہ

کہ آپ کی زندگی صبر وعزیمت سے عبارت تھی، بڑے بڑے مصائب ومشکلات آزمائش وامتحان آئے، کبھی زبان سے ایک حرفِ شکایت نہ نکلا، دوسری بات یہ کہ آپ نے جو کچھ کیا دنیوی نفع، سود وزیاں، کسی منفعت و لالچ، کسی عہدے، منقبت وتعریف کا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ ۴۰؍ برس وقار وعزیمت کے ساتھ حضرت شیخ الاسلامؒ نے ہر قسم کی عداوتیں، رقابتیں، طنز وتشنیع، سب وشتم، مختلف قسم کی ناروا حرکات برداشت کیں، اس کوہ گراں نے کبھی اپنے ساتھ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا، کسی مخالفت، عداوت، جلسوں میں ہلڑ بازی، پتھر بازی پر کبھی کوئی شکوہ، ناراضگی، خفگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

یوں تو حضرت مدنیؒ کی خدمات، آپ کی شخصیت، آپ کی خصوصیات کے مختلف پہلو ہیں، ہر پہلو پر تصنیف کی کئی کئی جلدوں میں گفتگو ہوسکتی ہے، حدیث وقرآن کے عالم، اس کے معانی ومطالب کے رمز آشنا، از ہر ہند دارالعلوم کے شیخ الحدیث، روحانیت میں پیر طریقت اور رئیس الاولیا، ریشمی رومال تحریک کے اہم سپاہی، مہمان نوازی، اخلاق، اخلاص تحریک خلافت کے داعی اعظم، مسلم اتحاد کے مضبوط حامی وداعی وغیرہ وغیرہ سیکڑوں ابواب ہیں۔

لیکن کہنا یہ ہے کہ مولانا مدنی حضرت رسول اللہ ﷺ کے مقاصد بعثت کو پورا کرنے والے اپنے نبی کے ایک کامل اُمتی اور اپنے اکابر کی تمام صفات اور نسبتوں کے جامع تھے، چنانچہ انہوں نے ہر دینی شعبہ میں انقلابی کام کیے، اور اپنے بعد ان کاموں کو جاری رکھنے اور ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے افراد کی ایک کھیپ تیار کی، اُنہی کے تراشیدہ جواہر میں ہمیں قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ بھی دکھائی دیئے، امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ بھی نظر آئے، غرض مولانا سیّد اسعد مدنیؒ، مولانا سید حامد میاںؒ، مولانا مرغوب الرحمٰنؒ، مولانا عبدالحنان جہانگیرویؒ، مولانا خواجہ خان محمدؒ، علامہ عبدالستار تونسویؒ، مولانا خورشید احمد ہمدانیؒ، مولانا سید محمد امین شاہؒ، مولانا سلیم اللہ خان، مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی، مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی اُمت کی رہنمائی میں مصروفِ عمل دکھائی دیئے۔ یہ سب وہ حضرات ہیں جو حضرت مدنیؒ کے فیض صحبت سے کندن بنے، ہر ایک نے ایک پوری اکیڈمی جتنا کام کیا، انہیں میں سے ایک تھے ''حضرت مولانا سیّد محمد **اصلح الحسینی**!''۔ جن کی یاد میں یہ ''گوشۂ خاص'' شائع کیا جارہا ہے۔

حضرت مولانا سیّد محمد اصلح الحسینیؒ حضرت مدنیؒ کے رفیق خاص تھے، اُن کے شاگردِ خاص تھے، اپنے شیخ کے ساتھ طویل مصاحبت رکھتے تھے، چنانچہ لکھنے، پڑھنے سے لے کر تحریکی مزاج تک اپنے شیخ کی ایک ایک ادا سے محبت تھی، اور وہ ہر موقع پر جھلکتی تھی، ہر موڑ سے ظاہر ہوتی تھی اور ہر ادا سے ٹپکتی تھی۔

اُنہوں نے تحریک آزادی میں حضرت مدنیؒ کی قیادت میں بھرپور جدوجہد کی تھی، جس کے نتیجے میں

قید و بند کی صعوبتیں بھی اُٹھائیں، تکالیف اور مشقتیں بھی برداشت کیں، لیکن پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

موجودہ وقت میں وہ حضرت مدنیؒ کی آخری چند یادگاروں میں سے ایک تھے اور حضرت مدنیؒ کی یادوں کے چراغ اُن ہی سے لو پاتے تھے۔ اُن کی زندگی میں سرد و گرم کیسے ہی حالات اور کتنے ہی اُتار چڑھاؤ آئے، مگر حضرت شیخ الاسلامؒ کے نام کا پاس بہر کیف انہیں دامن گیر رہا۔

آہ! آج وہ چراغ بھی بجھ گیا!

اب سوائے اُن کی یادوں کے اور کچھ باقی نہیں رہا، مجلّہ صفدر خوش نصیب ہے کہ اپنے اوراق میں ان کی یادوں کو رقم کر کے تاریخ مرتب کر رہا ہے۔ اور جس شخصیت کے افکار و آثار کا نقیب ہے (یعنی حضرت شیخ الاسلامؒ) اسی کے تیار کردہ ایک خوبصورت و خوب سیرت فرد کا تذکرہ اُمت کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ اس بات کا افسوس ضرور رہے گا کہ جس طرح ان کی بھاری بھر کم شخصیت تھی بوجوہ اُس طرح کا مواد بلکہ اس کا عشرِ عشیر بھی اکٹھا نہ ہو سکا، لیکن جو کچھ ہو سکا وہ بھی غنیمت ہے، اور اس کا جواب قارئین آگے آنے والی تحریروں میں تفصیلاً پڑھ لیں گے۔ اس سے پہلے کہ قارئین کو موقع ملے اور حضرت حسینیؒ کی حسین یادوں کا مطالعہ کریں میں اتنی بات عرض کر کے ناظرین کی بصر خراشی کی معذرت چاہتا ہوں کہ:

ان مقتدائے اُمت اور مقبولانِ بارگاہِ رب العزت کے جو حالات و سوانح لکھے جاتے اور خصوصی نمبر مرتب کیے جاتے ہیں اُن سے مقصود محض اُن کی تعریف میں مبالغہ آرائی اور قلمی جذبات کا اظہار نہیں ہوتا، اِس لیے کہ وہ ان تمام اُمور سے مستغنی ہیں اُنہیں بارگاہِ خداوندی سے ''یأیتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی'' کا مژدہ جانفزا مل چکا ہے۔ اس نعمتِ عظمٰی کے حصول کے بعد اُنہیں اہلِ دنیا کی مدح و توصیف کی کوئی حاجت نہیں، یہ سب کچھ اُن کے لیے نہیں بلکہ خود لکھنے اور پڑھنے والوں کے لیے ہے۔

اہل اللہ کے تذکرے اور ان کے حالات و کمالات کے مطالعہ سے لوگوں میں اُن کا راستہ اپنانے اور اُن کا طریقۂ زندگی اِختیار کرنے کا شوق اور داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ ان کے حالات کے آئینہ میں اپنی زندگی کا جائزہ لینے اور اپنے اخلاق و اعمال اور عقائد و معاملات کو سنوارنے کی توفیق ہو جاتی ہے، جو مقاصد بعثت میں سے اہم ترین مقصد ہے، بزرگانِ دین کے حالات و سوانح کے لکھنے پڑھنے کا اصل مطمح نظر یہی ہے۔

آیئے اسی جذبے سے اس ''خاص گوشہ'' کا مطالعہ کریں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعین

☆......☆......☆......☆

مولانا ابو الحسن بھٹی

مسند ابوحنیفہ کی ایک حدیث کی تشریح

أبو حنيفة عن عبدالله بن حبيبة قال: سمعت أباالدرداء صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: بينا أناردیف رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا أباالدرداء! مَن شهد أن لا إله إلا الله وأنی رسول الله، وجبت له الجنة. قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال: فسکت عنی ساعة، ثم سار ساعة، فقال: مَن شهد أن لا إله إلا الله وأنی رسول الله، وجبت له الجنة، قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال: فسکت عنی ساعة، ثم سار ساعة، ثم قال: مَن شهدأن لاإله إلا الله وأنی رسول الله، وجبت له الجنة، قال: قلت: وإن زنى وإن سرق؟ قال وإن زنى وإن سرق، وإن رغم أنف أبی الدرداء. قال فكانی أنظر إلى اصبع إلى أبی الدرداء السبابة يؤمی إلى ارنبته.

ترجمہ: ابوحنیفہ، عبداللہ بن حبیبہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھی (صحابی) ابودرداء سے سنا، فرمایا: ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پہ سوار تھا، آپؐ نے فرمایا: اے ابودرداء! جوشخص گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ میں نے کہا: اگر چہ وہ زنا کرے، اگر چہ وہ چوری کرے؟ (تب بھی جنت واجب؟ ابودرداء نے) کہا: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر آگے چل کر فرمایا: جوشخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ میں نے کہا: اگر چہ وہ زنا کرے، اگر چہ وہ چوری کرے؟ (تب بھی؟ ابودرداء نے) کہا: پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ دیر خاموش ہوگئے، پھر کچھ آگے چلے، پھر فرمایا: جو گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں بے شک اللہ کا رسول ہوں، اس کے لیے جنت واجب ہے۔ (ابودرداء) کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اگر چہ وہ زنا کرے، اگر چہ وہ چوری کرے؟ فرمایا: اگر چہ وہ زنا کرے، اگر چہ وہ چوری کرے، اگر چہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہوجائے۔ (مسندأبی حنيفة برواية الحصكفی صفحہ ۱۱)

فقه الحديث:

(۱) صحابی ہونا بہت بڑا اعزاز ہے اسی اعزاز کو بتانے کے لیے راوی نے سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کو ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی'' کہا ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے، اس سے سواری پر سوار ہونے کا ثبوت یا بالفاظ دیگر سوار ہونے کی اباحیت ثابت ہے۔

(۳) ایک ہی سواری پر دو آدمی سوار ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ سواری اس کی متحمل ہو۔

(۴) سیدنا ابودرداء سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے، اس سے ثابت ہوتا ہے جب دو آدمی ایک ہی سواری پر سوار ہوں تو چھوٹا پیچھے بیٹھے، یہی ادب کا تقاضا ہے۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے، اس سے سفر کرنے کا جواز ثابت ہوا۔

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سیدنا ابودرداء سے ہم کلام ہوئے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سوار (مسافر حضرات) آپس میں ہم کلام ہو سکتے ہیں۔ بالخصوص جب گفتگو علمی و دینی ہو۔

(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سوار ہو کر سیدنا ابودرداء کو تعلیم ارشاد فرمائی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چلتے چلاتے سیکھنا سکھانا درست ہے۔ جیسا کہ تبلیغی جماعت کے ساتھی دوران سفر سیکھتے سکھاتے ہیں۔

(۸) سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے سیکھنے کی اس موقع پر درخواست نہیں کی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود انہیں تعلیم دی ہے، لہٰذا کسی کے مطالبہ کے بغیر بھی اسے تعلیم دی جا سکتی ہے اور تبلیغ بھی جائز ہے۔

(۹) کلمہ اسلام کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے کہ (خلوص دل سے) کلمہ پڑھنے کی صورت میں جنت واجب ہو جاتی ہے۔

☆......جنت واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت کلمہ والا شخص جنت میں ضرور ہی داخل ہوگا، آخری درجہ یہ ہے کہ وہ گناہ گار ہونے کی صورت میں اپنی سزا بھگت کر جہنم سے خلاصی پائے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۱۰) سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کو دوران تعلیم بات عجیب لگی تو انہوں نے 'اگرچہ وہ زنا کرے، اگرچہ چوری کرے' کہہ کر اپنا شبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طالب علم کو دوانِ تعلیم استاذ سے سوال کرنے اور پوچھنے کا حق حاصل ہے۔

(۱۱) سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے دوسری بار اپنا شبہ ظاہر کیا، لہٰذا بار بار پوچھنے کا حق بھی طالب علم کو حاصل ہونا چاہیے۔

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً تحمل سے شبہ کا جواب دیا، لہٰذا طالب علم کے سوال پر استاذ کو تحمل سے کام لینا چاہیے۔

(۱۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کے سوال پر تھوڑی دیر خاموش رہے، لہٰذا دورانِ تعلیم و تبلیغ متکلم کا کچھ دیر کے لیے خاموش ہو جانا جواب سے عاجز آنے کی دلیل نہیں۔

☆......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ دیر خاموش ہو جانا شاید اس لیے ہوگا تا کہ صحابی بھرپور توجہ کے ساتھ جواب سنے یا پھر امت کو تعلیم ہے کہ جواب دینے میں جلدی نہ کی جائے بلکہ سوچ سمجھ کر جواب دیا جائے وغیرہ، واللہ اعلم۔

(۱۴) چوری اور زنا دونوں بہت بڑے گناہ ہیں، تب ہی تو سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کے دل میں سوال اٹھا

کہ اتنے بڑے گناہوں کی موجودگی میں بھی فیصلہ جنت کا ہوگا؟

(۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کے سوال ''اگر چہ زنا کرے، اگر چہ چوری کرے'' کے جواب میں اولاً ''جی ہاں'' نہیں کہا، بلکہ اپنی پہلی بات ''کلمہ پڑھنے والا جنتی ہے'' کو دہرایا۔لہٰذا سائل کے جواب میں ''ہاں یا نہیں'' کہنے کی بجائے اپنی پہلی بات کو دہرا کر بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔

(۱۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمہ پڑھنے والا اگر چہ زانی اور چور ہو تب بھی جنت میں داخل ہوگا، سے ثابت ہوتا ہے کبیرہ گناہوں کے باوجود کلمہ والا مؤمن ہی رہتا ہے۔لہٰذا کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اسے ایمان سے خارج قرار دینے والے فرقوں معتزلہ وغیرہ کا مذہب غلط ہے۔

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں فرمایا: ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو۔یعنی اگر چہ انہیں یہ بات ناگوار گزرے تب بھی کلمہ والا جنت میں داخل ہوگا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کو کسی معقول وجہ سے ڈانٹ سکتا ہے۔

(۱۸) جب استاذ کو ڈانٹنے کا حق حاصل ہے طالب علم کو ڈانٹ برداشت کرنے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے۔

(۱۹) سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے جب حدیث بیان کی تو یہ جملہ ''اگر چہ ابودرداء کی ناک خاک آلود'' بھی آگے امت تک پہنچایا، یہ ان کی دیانت کا کمال ہے کہ حدیث کا جو جملہ بظاہر ان کی ذات کے خلاف تھا اسے بھی آگے امت کے سامنے پیش کر دیا۔

(۲۰) سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ''ناک خاک آلود ہو'' جملہ بتانے کے وقت اپنے ہاتھ کا اشارہ اپنی ناک کی طرف کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدرس، خطیب موقع محل کی مناسبت سے ہلکے پھلکے انداز میں ہاتھوں کو حرکت دے سکتا ہے۔دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ خطبہ اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے (اشارہ کرتے) تھے۔

(۲۱) سیدنا عبداللہ بن حبیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: گویا کہ میں ابودرداء کی انگلی کو دیکھ رہا ہوں......اس سے تصور شیخ کا ثبوت ملتا ہے۔تصور شیخ کا مطلب ہے اپنے شیخ، پیرومرشد کا خیال اپنے دل ودماغ لانا۔

(۲۲) سیدنا عبداللہ بن حبیبہ رحمہ اللہ نے سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ''ناک خاک آلود ہو'' والا جملہ نقل کیا تو ساتھ ہی ان کی کیفیت کو بھی نقل فرما دیا کہ انہوں نے اپنی انگلی سے ناک کی طرف اشارہ کیا۔یہ ان کی انتہائی درجہ کی امانت ہے کہ انہوں نے صحابی سے بات بھی ضبط کی اور ان کی کیفیت کو بھی نوٹ کیا پھر بات اور کیفیت دونوں کو آگے امت تک پہنچا دیا۔

(۲۳) سیدنا عبداللہ رحمہ اللہ کا سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کی کیفیت تک کو نقل کر دینا ان کی حاضر دماغی کی دلیل ہے، لہٰذا طالب علم کو استاد کے سامنے حاضر دماغ ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ ☆☆☆☆

عمار خان کے نام......مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا مکتوب گرامی

''قارئین صفدر کے علم میں ہے کہ اکابر علماء کی طرف سے الشریعہ اور عمار خان صاحب سے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اِس فیصلہ میں واضح لکھا گیا ہے کہ ''اِس قضیہ کا اصل مجرم عمار ناصر غامدی ہے۔'' نیز مولانا زاہد الراشدی صاحب سے بنیادی طور پر دو مطالبات کیے گئے ہیں:

۱......جمہور اہل سنت سے ہٹ کر کسی بھی قسم کی رائے یا موقف کا اظہار عوام الناس کے سامنے نہ کیا جائے۔ اور ماہنامہ الشریعہ میں اِس مقصد کے لیے کھولا گیا ''آزاد فورم'' بند کیا جائے یا کم از کم اُسے اکابر اہلِ سنت کے 'مجموعی موقف' کا تابع بنایا جائے۔

۲......عمار خان ناصر سے برأت کا اعلان کر کے اُسے الگ کیا جائے۔

لیکن مولانا زاہد الراشدی صاحب نے یہ مطالبات قبول کرنے کی بجائے قدرے کھل کر عمار خان صاحب کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جیسا کہ الشریعہ کی اشاعت خاص سے ظاہر ہے۔

اِس سلسلہ میں حضرت الشیخ مولانا تقی عثمانی مدظلہم کا موقف کیا ہے؟......اتنی بات یقینی ہے کہ: وہ عمار خان صاحب اور الشریعہ کی پالیسی کے حمایتی ہرگز نہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ تین سال قبل مولانا زاہد الراشدی صاحب کو باقاعدہ خط لکھ کر توجہ دلا چکے ہیں، کہ: ''جمہور سے الگ رائے، نظریے اور موقف کو عوام الناس میں ظاہر اور شائع کرنے سے عوام کو اکثر اُلجھن کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

اب سے تین ماہ قبل اِسی قسم کا ایک جوابی خط مولانا تقی عثمانی مدظلہم نے جناب عمار خان صاحب کو بھی لکھا، جس میں انہوں نے عمار خان صاحب سے وہی مطالبہ کیا جو باقی علماء نے مولانا زاہد الراشدی صاحب سے کیا ہے۔ کہ ''جمہور سے مختلف آراء کو عوام میں ہرگز شائع نہ کیا جائے۔ اگر عمار خان صاحب کو یہ منظور نہیں تو مولانا زاہد الراشدی صاحب سے الگ ہو کر کسی اور پلیٹ فارم سے کام کریں۔'' فرق بس اتنا ہے کہ دیگر اکابر نے براہِ راست مولانا زاہد الراشدی صاحب سے کہا، کیونکہ الشریعہ کے مالک وہی ہیں، انہوں نے ہی عمار خان صاحب کو الشریعہ کا مدیر بنایا ہے۔ اور اپنی انفرادی آراء کے اظہار کا حق بھی انہوں نے دیا ہے۔ اِس لیے اُنہی سے مطالبہ کرنا مناسب سمجھا گیا۔ جبکہ مولانا تقی عثمانی مدظلہم نے براہِ راست اُن سے مطالبے کی بجائے عمار خان صاحب کو کہنا زیادہ مناسب سمجھا کہ (آپ کے والد آپ کو الگ کریں یا نہ کریں) ''آپ خود اُن سے الگ ہو جائیں۔'' مقصد سب بزرگوں کا ایک ہے۔

ذیل میں مولانا عثمانی مدظلہم کے دونوں خطوط شائع کیے جا رہے ہیں۔ پہلا خط الشریعہ [اگست ۲۰۱۱ء]

سے لیا گیا ہے۔ جب کہ دوسرا خط حضرت الشیخ مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم کے واسطے سے ہمیں ''صفدر'' میں شائع کرنے کے حکم کے ساتھ موصول ہوا ہے۔ انہی کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔'' [ادارہ]

محترم ومکرم حضرت مولانا ابوعمار زاہد الراشدی صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں اور دینی خدمات صدق واخلاص کے ساتھ ترقی پذیر ہوں۔ آمین

یہ عریضہ ایک ضروری امر کی طرف توجہ مبذول کرانے کی خاطر آنجناب کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ وہ یہ کہ ماہنامہ ''الشریعہ'' کے جولائی ۲۰۱۰ء کے شمارے میں حکیم ظل الرحمٰن صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''فتاویٰ کے اجراء میں احتیاط کی ضرورت'' شائع ہوا ہے، جس میں موصوف نے حضرت والد ماجد مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک موقعہ پر طلاق ثلاثہ کے مسئلے میں اہل حدیث (غیر مقلد [ناقل]) کے مسلک پر تحریری فتویٰ دینا منسوب کیا ہے۔ بندے کے علم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات تحقیق کے بغیر لکھی گئی ہے۔ اُن سے پوچھنا بھی چاہیے (کہ) اُن کی اِس حکایت کا ماخذ کیا ہے؟ نیز مسئلے کی حساس نوعیت کے پیشِ نظر آنجناب سے موصوف کو اِس پر متنبہ فرمانے کی درخواست ہے کہ ایسے حساس مسائل پر بلا تحقیق قلم اُٹھانے سے گریز فرمائیں۔

<u>نیز چونکہ اِس قسم کے مسائل پر تبصرہ یا گفتگو جب عوام تک پہنچتی ہے تو وہ اکثر اُلجھن کا شکار ہوتے ہیں اور بات کو اُس کے سیاق سے ہٹ کر سمجھنے لگتے ہیں۔ اِس لیے بندے کا نہایت اَدب کے ساتھ مخلصانہ مشورہ ہے کہ آئندہ ایسے مضامین کو ''الشریعہ'' میں شامل نہ کیا جائے۔</u> نیز اگلے شمارے میں ذکر کردہ واقعہ کے بارے میں وضاحت شائع فرمانے کی بھی درخواست ہے۔

امید ہے کہ ان مؤدبانہ گذارشات پر جناب والا ضرور توجہ فرمائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آنجناب کی دینی خدمات میں ترقی عطا فرمائیں۔ آمین۔ بندے کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد فرمانے کی درخواست ہے۔

بندہ محمد تقی عثمانی......جامعہ دارالعلوم کراچی......جولائی ۲۰۱۱ء

محترم ومکرم جناب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ   امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

والد گرامی کے ارشاد پر میں نے چند اہم مسائل کے ضمن میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت تحریر کی تھی جو الشریعہ کے تازہ خصوصی شمارہ (جون ۲۰۱۴ء) میں شائع ہوئی ہے۔ یہ صفحات والد گرامی کی ہدایت پر آنجناب کے ملاحظہ کے لیے ارسال کیے جارہے ہیں۔

اس سے قبل بھی کئی مرتبہ خیال ہوا کہ میں نے دینی وعلمی مسائل پر اپنے ناقص فہم کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے، وہ راہ نمائی اور اصلاح کے لیے آنجناب کی خدمت میں ارسال کروں، تاہم آنجناب کی مصروفیات اور عدیم الفرصتی کا خیال اس سے مانع رہا۔ بہرحال! اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی تفصیلی مطبوعہ تحریریں اس غرض سے آپ کی خدمت میں روانہ کرسکتا ہوں۔ آنجناب کے علمی مقام ومرتبہ کا رسمی طالب علمی کے زمانے سے قدردان اور متوازن فکر مزاج کا ہمیشہ سے خوشہ چین رہا ہوں۔ کسی مسئلہ کے فہم یا تعبیر میں کوئی کجی محسوس فرمائیں تو آنجناب کی طرف سے اس کی نشاندہی میرے طالب علمانہ غور وفکر کے لیے بڑی اہم اور قیمتی ہوگی۔ نیک دعاؤں کی درخواست کے ساتھ

محمد عمار خان ناصر......۷/جون ۲۰۱۴ء

عزیز گرامی قدر جناب حافظ محمد عمار خان ناصر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا گرامی نامہ اور اس کے ساتھ آپ کا مضمون ''میری اختلافی آراء اور ان کی علمی بنیاد'' موصول ہوا، جس کے لیے میں شکرگذار ہوں۔ آپ نے ان مسائل کے بارے میں یہ فرمائش بھی کی ہے کہ ''فہم یا اس کی تعبیر میں کوئی کجی محسوس کروں تو اس کی نشاندہی کروں''۔

اِن میں سے ہر مسئلے کے بارے میں تبصرے کی فرصت نہیں ہے۔ (کہ میں اس وقت بھی ایک سفر کے لیے پابہ رکاب جیسا ہوں۔) اور ان پر علمی تبصرے کے لیے ایک خط کافی بھی نہیں ہوسکتا۔ البتہ چند اُصولی باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، آپ کے جدامجد قدس سرہ اور آپ کے والد گرامی حفظہ اللہ تعالیٰ سے بندہ کا جو نیازمندانہ تعلق ہے، اُس کی بناء پر میں آپ کو اپنا بھتیجا سمجھوں تو شاید بعید نہ ہو۔ اُسی تعلق اور ''الدین النصح'' کے پیش نظر یہ گذارشات پیش کررہا ہوں اور انتہائی دردمندی سے پیش کررہا ہوں۔ اگر اِن پر غور فرمالیں تو شاید کسی طویل بحث کی ضرورت بھی نہ ہو۔ ماشاءاللہ آپ نوجوان ہیں، تازہ علم رکھتے ہیں، مطالعہ بھی وسیع ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تحریر وانشاء کی صلاحیت بھی خوب عطاء فرمائی ہے۔ اور بندہ اِن میں سے اکثر صفات سے تہی دامن ہے۔ البتہ عمر بے شک بندے کی زیادہ ہے اور شاید تجربہ بھی۔ کہ میرے بال؛ دین کے مختلف شعبوں کی طالب علمی اور مختلف تحریکوں اور افکار کے مطالعے اور جائزے ہی میں سفید ہوئے ہیں۔ اِس لیے یہ گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل اُمور پر ٹھنڈے دل سے غور فرمالیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

۱......میں نے آپ کا مضمون پڑھا اور خالی الذہن ہوکر پڑھا۔ اس میں متعدد امور ایسے ہیں جن میں جمہور اُمت سے ہٹ کر آپ نے اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا؛ ہر مسئلے کے دلائل پر گفتگو کے بغیر مضمون کا جو مجموعی طرزِ فکر ہے، وہ بندے کو نہایت خطرناک محسوس ہوتا ہے، اِس طرزِ فکر کے

ساتھ انسان کسی وقت کسی بھی بڑی گمراہی میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ جب ایک مرتبہ کوئی صاحبِ فکر جمہورِ اُمت کے مسلمات سے آزاد ہوکر اپنی راہ الگ اختیار کرلیتا ہے اور یہ تصور کرلیتا ہے کہ وہ اِن مسلمات کے بارے میں پہلی بار اصابتِ فکر کے ساتھ غور کررہا ہے، اور چودہ صدیوں میں علماءِ امت اُس اندازِ فکر سے محروم رہے ہیں، تو اُس کے اوپر کوئی روک باقی نہیں رہتی۔ ماضی میں یہی طرزِ فکر نہ جانے کتنی گمراہیاں پیدا کرچکا ہے۔ طٰہٰ حسین سے لے کر سرسید تک اور وحید الدین خان صاحب سے لے کر جاوید غامدی صاحب تک کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اپنے اپنے وقت میں اِس قسم کے طرزِ فکر نے دلائل کا زور بھی باندھا، لیکن امت اسلامیہ کا اجتماعی ضمیر رفتہ رفتہ اُسے رد کرکے اِس طرح آگے بڑھ گیا کہ اُس کا ذکر صرف کتابوں میں باقی رہ گیا۔ بالخصوص آج کے دور میں جس طرح کے افکار دین میں تحریف کے درپے ہیں، اس کے سوا سلامتی کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ انسان علماءِ امت کے سوادِ اعظم سے اور جمہور امت کے مسلمات سے وابستہ رہے۔ بے شک انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، لیکن اِس کا مطلب یہ نہ ہونا چاہیے کہ انسان جمہور علماء امت کے مقابلے میں خود کو معصوم سمجھنے لگے اور یہ سمجھے کہ اُن سب سے بیک وقت غلطی ہوئی ہے، مجھ سے نہیں۔

لہٰذا میں آپ سے اپنا بھتیجا ہونے کے ناطے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اِس طرزِ فکر سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین صلاحیتوں سے نوازا ہے، انہیں جمہور امت کے دائرے میں رہتے ہوئے خدمتِ دین کے لیے استعمال کا بہت بڑا میدان موجود ہے، اسی میدان میں اس کو استعمال فرمائیں۔

۲......دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جن مسائل پر آپ نے اپنی ''اختلافی آراء'' کا اظہار فرمایا ہے، ان کے بارے میں یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا آپ پر یہ فریضہ عائد ہوتا تھا کہ آپ ان مسائل پر اپنی اختلافی آراء کو ظاہر اور شائع کریں؟ نیز یہ کہ اِن افکار کی اشاعت سے فائدہ کیا حاصل ہوا؟ کیا اِس پر کوئی عملی مسئلہ موقوف تھا جو اِن کی اشاعت سے حل ہوگیا؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے نتیجے میں ایک فکری انتشار اور رد و قدح کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوگیا جس نے تفریق امت کے سوا کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ اگر آپ اِن افکار کے حامل تھے بھی، تو اِن کی اشاعت نہ کرتے تو کیا ہوتا؟ مثلاً: اگر رجم یا ارتداد کی سزا کے بارے میں آپ اپنا موقف شائع نہ فرماتے تو کیا نقصان ہوجاتا؟

۳......آپ کا تعلق ایک ایسے متصلب گھرانے سے ہے جس نے ہمیشہ جمہور امت کے اتباع کو اپنا شعار قرار دیا ہے۔ آپ کے جدامجد قدس سرہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اور آپ کے والد گرامی کو میں امت کی قیمتی متاع سمجھتا ہوں۔ اور اُن کی شخصیت کے متنازع بننے کو امت کا عظیم نقصان۔ آپ کے اِس قسم کے اَفکار کی وجہ سے وہ جس آزمائش میں مبتلا ہوگئے ہیں، وہ کم از کم میرے لیے شدید تشویش کا باعث ہے، انہوں نے ہمیشہ جمہور امت کی نمائندگی فرمائی ہے، اور اب بھی وہ جمہور امت سے شذوذ کے حق میں نہیں

ہو سکتے[۱]، لیکن آپ کی وجہ سے لوگوں کو انہیں نشانہ بنانے کا موقع مل رہا ہے۔

اِن حالات میں بندہ کی سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ آپ اولاً تو یہ اعلان فرما دیں کہ: ''میں نے جو کچھ لکھا، یا جو آراء ظاہر کیں، وہ محض احتمال یا تجویز کے طور پر برائے نقد و تبصرہ ظاہر کی تھیں، لیکن میں ان تمام مسائل میں جن میں مَیں نے جمہور سے ہٹ کر کوئی رائے ظاہر کی ہے، جمہور کے قول کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور مجھے اپنی رائے پر کوئی جزم یا اصرار نہیں ہے، بلکہ جمہور کے مقابلے میں اسے متہم سمجھتا ہوں۔''

مجھے احساس ہے کہ انسان جس راستے پر سالہا سال چلتا رہا ہو، اس سے یکلخت منہ موڑ لینا نفس پر بہت بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن یہی انسان کی عظمت کی دلیل ہے کہ وہ اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کا حوصلہ رکھتا ہو۔

اور اگر آپ کو آپ کو اِس اقدام میں پھر بھی تأمل ہو، تو میری مؤدبانہ درخواست یہ ہے کہ براہِ کرم آپ اپنے افکار کے لیے کوئی دوسرا پلیٹ فارم استعمال کر لیں۔ اور اپنی آراء کو اپنے والد گرامی سے ملتبس ہونے سے ہر قیمت پر بچائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن سے بہت کام لیا ہے، اُن پر اعتراضات کی اصل وجہ آپ بنے ہیں، ورنہ کسی کو اُن پر انگشت نمائی کی جرأت نہ ہوتی۔ اُن کی شخصیت کا تحفظ اور اُس پر اعتماد کا تحفظ دوسری تمام مصلحتوں اور بالخصوص بے فائدہ آراء شاذہ کی نشر و اشاعت پر بدر جہا فوقیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بایں فیوض سلامت رکھیں۔

۴......آپ نے اپنی دوسری تحریریں بھیجنے کی جو پیش کش کی ہے، اس پر ضرور عمل فرمائیں، تاکہ میں بوقت ضرورت اُن سے استفادہ کروں۔ لیکن میری مندرجہ بالا گذارشات اُن پر موقف نہیں۔

ایک بات آپ سے براہِ راست پوچھنا بہتر ہے، اور وہ یہ کہ جناب جاوید غامدی صاحب کے اس اظہار کے بعد کہ: ''اخبارِ احاد سے دین میں کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔'' کیا آپ اُن کے طرزِ فکر اور اُن کے اجتہادات کو بھی اجتہادی اختلاف کے دائرے میں سمجھتے ہیں؟ اور اُن سے تلمذ پر مطمئن ہیں؟

یہ چند منتشر خیالات انتہائی دردمندی کے ساتھ اِس اُمید پر پیش کر رہا ہوں کہ آپ اِن پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہیں کہ مذکورہ بالا تحریر کا منشا الدین النصیحۃ ہے، اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خاص توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

والسلام......محمد تقی عثمانی......۲۰/شعبان ۱۴۳۵ھ

☆☆☆☆

[۱] حضرت عثمانی مدظلہم یقیناً مولانا زاہد الراشدی صاحب کی اُن تحریرات سے آگاہ نہیں ہوں گے جن میں انہوں نے تمام اہل علم کے لیے جمہور امت سے اختلافی آراء وموقف اختیار کرنے اور عوام الناس میں اُس کے اظہار و اشاعت کا ''حق'' تسلیم کیا ہے۔ بلکہ عملاً بھی ایسا کیا ہے۔ اس کے حوالہ جات ''صفدر'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ [ادارہ]

مولانا احسن خدامی

دو منظر

☆............نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم............☆

اس مرتبہ کی محفل میں ہم مجلّہ صفدر کے قارئین کے سامنے دو مناظر پیش کر کے انہیں ان پر غور وفکر کی دعوت دے رہے ہیں۔

پہلا منظر اسرائیل کا ہے، جہاں مقبوضہ بیت المقدس میں لاکھوں یہودی ایک زبردست مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ڈنڈوں، اینٹوں، پتھروں اور پیٹرول بموں سے لیس یہ مظاہرین کافی مشتعل ہیں اور صورت حال پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف پولیس پر زبردست پتھراؤ کر رہے ہیں۔ سڑکیں میدان جنگ بنی ہوئی ہیں اور مظاہرین کا غصہ کسی طرح کم ہونے میں نہیں آ رہا۔ غصے میں بپھرے ہوئے اور جذبات سے بے قابو ہوتے ہوئے ان مظاہرین کا مطالبہ ہے کہ یہودی مذہبی طالب علموں سے فوجی ڈیوٹی لینے کا فیصلہ تبدیل کیا جائے اور ہمیشہ کی طرح آئندہ بھی انہیں اس ڈیوٹی سے استثنا دیا جائے۔

یاد رہے کہ ایران کی طرح اسرائیل میں بھی ملک کے ہر ہر فرد پر فوجی تربیت حاصل کر کے دو سال تک فوج میں ڈیوٹی دینا لازمی ہے۔ اس ڈیوٹی سے اسرائیل کے کسی بھی مرد و زن باشندے کو استثنا حاصل نہیں ہے۔ تاہم یہودی مذہبی طالب علم جنہیں وہاں کی زبان میں ''یشوا'' کہا جاتا ہے، اسرائیل کے قیام سے لے کر اب تک اپنے احترام اور تقدس کی بنا پر اس لازمی ڈیوٹی سے مستثنیٰ سمجھے جاتے رہے ہیں اور کسی بھی حکومت میں ان کو یہ ڈیوٹی کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ چونکہ یہ مذہبی طالب علم کوئی چند سو یا چند ہزار نہیں بلکہ اسرائیل جیسے چھوٹے سے ملک میں آٹھ لاکھ کی غیر معمولی تعداد میں، یعنی اسرائیل کی کل آبادی کا دس فیصد ہیں، اس لیے جب محض مذہبی تقدس کی بنا پر ان کو فوجی سروس سے استثنا دیئے جانے پر چند لوگوں نے اعتراض کیا اور ان کے اعتراض کی بنا پر حکومت نے ان کا استثنا ختم کر کے ان سے بھی فوجی سروس لینے کا فیصلہ کیا تو ملک کے لاکھوں باشندے ان کی حمایت میں سڑکوں پر آ گئے۔ ''تورات سب سے بلند'' کے بینر اٹھا کر حکومت کے خلاف زبردست نعرے بازی کی گئی، بے قابو مظاہرین کا اشتعال بڑھتے بڑھتے تشدد تک پہنچا، ڈنڈوں، پتھروں، پیٹرول بموں کا استعمال ہوا اور طرفین سے متعدد افراد زخمی ہوئے تو اسرائیل کی حکومت نے ان کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے مجوزہ قانون کے نفاذ کا منصوبہ ترک کر دیا اور ان ''مقدس'' طالب علموں کو فوجی

ڈیوٹی سے مستثنیٰ رکھنے کا فیصلہ جاری کر دیا۔[بی بی سی اردو، ۱۷ مئی، ۲۰۱۳ء]

دوسرا منظر ہمارے پیارے وطن پاکستان کے دل لاہور کے ایک عظیم مدرسے ''جامعہ مدنیہ جدید'' کا ہے۔ تقریباً چوبیس ایکڑ زمین کے بڑے رقبے پر پھیلے ہوئے، رائیونڈ روڈ پر واقع اس مدرسے کا پاکستان کی بہادر پولیس نے چاروں طرف سے محاصرہ کیا ہوا ہے۔ پولیس کے ہزاروں چوکس جوان بڑی پھرتی سے اس کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ قرآن وحدیث کی تعلیم دینے والے محترم اساتذہ کرام کو جمع کر کے اُن سے توہین آمیز لہجے میں سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ طلبہ کرام کے بستروں، بکسوں اور کتابوں کی تلاشی لے کر ان میں سے ''بارودی مواد'' کی تلاش جاری ہے۔ ''فرض شناس'' پولیس افسران اپنی ''مصدقہ'' رپورٹ کی روشنی میں مسجد الحامد کے ہال میں بنائی گئی سرنگیں اور ان میں چھپایا گیا خوفناک بھاری اسلحہ تلاش کرنے کے لیے سرگرداں ہیں۔ تاہم ناکامی اور کئی مرتبہ کی ناکامی کے باوجود ان کا حوصلہ قطعاً پست نہیں ہوا، نہ ہی انہیں کوئی شرمندگی محسوس ہوئی ہے۔ یہ کارِ خیر ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ انجام دیا جا چکا ہے مگر تا حال اس کا سلسلہ کسی طرح رکتا نظر نہیں آ رہا اور حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار پولیس اور انٹیلی جنس کے افسران وطن عزیز کی اس گراں قدر خدمت کو آئندہ بھی انجام دیتے رہنے کے لیے پرعزم ہیں۔[ماہنامہ انوارِ مدینہ، ستمبر ۲۰۱۴ء]

یہ صورت حال صرف ایک مدرسے کی نہیں بلکہ وطن عزیز کے بے شمار مدارس اسی قسم کی صورت حال سے دوچار ہیں۔ پولیس اور خفیہ اداروں کی طرف سے دینی مدارس کے اہل اہتمام کو پریشان کرنا، اربابِ مدرسہ سے توہین آمیز سلوک کرنا، طلبہ کرام کا مکمل ریکارڈ، اساتذہ کرام کی تصویریں، انگوٹھوں کے نشانات لے کر جانا، تفسیر اور حدیث کے اسباق پڑھانے والے معزز اساتذہ کرام سے دہشت گردوں کو پناہ نہ دینے، بارودی مواد گھر میں نہ رکھنے کے ذلت آمیز حلف نامے پر دستخط لینے کی کوشش کرنا، توہین آمیز طریقے سے مدرسہ کی تلاشی لینا اور ہر چار دن بعد کسی نئی ایجنسی کا اس تمام کاروائی کو نئے سرے سے دہرانا ایک معمول بن چکا ہے۔

مدرسے کے اربابِ اختیار اگر شرافت کی بنا پر ان کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے طلبہ کرام کا ریکارڈ ان کے حوالے کریں تو صلہ یہ ملتا ہے کہ ان طلبہ کرام کے لواحقین کو متعلقہ تھانوں میں بلا کر ہراساں کیا جاتا ہے اور ''دہشت گردوں کے مدارس'' سے بچوں کو اٹھا لینے کی تلقین کی جاتی ہے۔

پہلی تصویر ہمارے دشمن ملک اسرائیل کی تھی، یہ تصویر ہمارے پیارے ملک پاکستان کی ہے۔ قارئین کرام دونوں تصویروں پر غور فرما کر نتیجہ خود نکال سکتے ہیں!! وما علینا الا البلاغ.

☆......☆......☆......☆

حافظ محمد اسامہ مکی

اَربابِ الشریعہ کی خدمت میں!

(قسط نمبر۳)

محترم قارئین! گزشتہ دو قسطوں میں ہم قدرے اختصار کے ساتھ درج ذیل مباحث بیان کر آئے ہیں:

۱۔ جناب عمار خان صاحب کا فکری پس منظر اور اُن کی آزاد خیالی (گمراہی) کی بنیادی وجہ۔

۲۔ جناب عمار خان صاحب کی فکری وقلبی وابستگی۔

۳۔ عمار خان صاحب کے والد محترم کا عام دیو بندی ماحول سے مختلف خیال وفکر اور طرزِ عمل۔

۴۔ عمار خان صاحب کے والد صاحب کی طرف سے اُن کا ہر قسم کا دفاع۔

۵۔ عمار خان صاحب کی طرف ''غامدیت'' کی نسبت کرنے پر اظہارِ ناراضگی۔

۶۔ عمار خان صاحب کے والد محترم کا عمار صاحب کی گمراہی سے صاف انکار۔

۷۔ عمار خان صاحب کی جناب جاوید احمد غامدی صاحب سے نظریاتی واُصولی ہم آہنگی۔

۸۔ عمار خان صاحب کی 'گمراہی' 'غامدیت کی ترجمانی' پر علماء دیو بند کی شہادات۔

۹۔ عمار خان صاحب کے دفاع میں اَربابِ الشریعہ کی دو بے موقع مثالیں اور اُن کی حقیقت۔

۱۰۔ اَربابِ الشریعہ کی طرف سے عمار خان صاحب کے تقریباً ہر ناقد کو غیر سنجیدہ قرار دینا۔

۱۱۔ عمار خان صاحب کی جائز ناجائز ہر بات پر خاموشی بلکہ دفاع اور اُن کے ناقدین پر برس پڑنا۔

اِن اُصولی اور اہم باتوں کے بعد بحث کو مزید طول اور قارئین کو اُکتاہٹ سے بچاتے ہوئے ہم چند مزید گزارشات کر کے اِس مضمون کو سمیٹنا چاہتے ہیں۔ پوری کوشش کریں گے کہ اِس قسط میں نہ سہی تو آئندہ قسط میں مضمون مکمل ہو جائے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ زیرِ نظر مضمون کا داعیہ الشریعہ کے خاص نمبر کے مطالعہ کے دوران پیدا ہوا۔ موضوع کی مناسبت سے اَربابِ الشریعہ کی دیگر عبارات نقل کر کے اُن پر بھی تبصرہ کر دیا گیا۔ مزید ملاحظہ فرمائیے! مولانا زاہد الراشدی مدظلہم ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''یہ تو میرے ''قادیانی نواز'' ہونے کی داستان ہے اور اب عزیز عمار خان بھی اس الزام میں میرے ساتھ شریک ہو گیا ہے۔'' [الشریعہ، ستمبر ۲۰۱۱ء]

حضرت مولانا مدظلہم نے اِس تحریر سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جس درجے کا اور جیسا الزام

اُن پر لگا، بعینہ اُسی درجے کا الزام اُن کے بیٹے پر بھی لگا۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ مولانا راشدی صاحب مدظلہم پہ ''قادیانیت نوازی'' کا الزام ایک مبینہ قادیانی کی غیر معتمد کتاب پر تقریظ لکھنے اور کثیر علماء کی طرف سے رجوع کی درخواست کے باوجود اُس پر ''پورے شرح صدر'' کے ساتھ قائم رہنے کی وجہ سے لگا۔ جبکہ اُن کے بیٹے جناب عمار خان صاحب پر اِس الزام کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ جناب عمار خان صاحب ایک عرصہ تک قادیانیوں کو مسلمان قرار دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ:

''قادیانیوں سے متعلق راقم الحروف کا رجحان کچھ عرصہ مولانا دریابادی کے موقف کی طرف رہا ہے جو انھیں تاویل کا فائدہ دیتے ہوئے اُن کی تکفیر نہ کیے جانے کے قائل تھے۔'' [اشاعت خاص، ص:۱۸۶]

نیز عمار خان صاحب علمائے اسلام کے ''قادیانیوں سے معاشرتی مقاطعہ اور بائیکاٹ'' کے 'اجتماعی فیصلے' کو تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''البتہ قادیانیوں کے ساتھ بطور ایک طبقے سماجی تعلقات منقطع کر دینے کی حکمت عملی سے مجھے اختلاف ہے۔'' [ایضاً]

عمار صاحب کے اپنے اقرار کے مطابق فروری ۲۰۱۰ء تک اُن کا یہی موقف رہا، یعنی وہ قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے رہے۔ [نوازشات، ص:۱۵۲] اور قادیانیوں سے بائیکاٹ کے فیصلے سے تاحال اُن کو اختلاف ہے۔ [اشاعت خاص، ص:۱۸۶] لہٰذا اِس سے قبل اُنھوں نے قادیانیوں کی حمایت میں جتنے مضامین لکھے (بالخصوص مئی ۲۰۰۹ء کا مضمون جو ماہنامہ 'اجتہاد' میں شائع ہوا۔) وہ سب کے سب اِسی تناظر میں اور اِسی موقف کے ساتھ یعنی قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے ہوئے لکھے۔ جنوری ۲۰۱۰ء کے اواخر میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کو بھی اِس بات سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ جناب عمار خان صاحب قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور علماء امت کے فیصلۂ تکفیر سے متفق نہیں۔ عمار خان صاحب کے اِس باطل موقف کا علم رکھنے کے باوجود مارچ ۲۰۱۰ء میں مولانا زاہد الراشدی صاحب عمار خان صاحب کے دفاع میں مضمون لکھتے ہوئے علمائے اسلام اور اُن کو فہم و دیانت کو نشانہ بناتے ہیں کہ آپ نے عمار خان صاحب کی بات سمجھی نہیں۔ حالانکہ راشدی صاحب کے اِس مضمون کے دو سال بعد عمار خان صاحب وہی بات تسلیم کر چکے ہیں جس کا اُن پر الزام تھا۔ کیا اِس کے بعد مولانا راشدی صاحب مدظلہم، عمار خان صاحب کے دفاع میں لکھی گئی اُس تحریر کی کوئی توجیہ فرما سکیں گے؟

کم از کم ہم یہ بات سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ ایک آدمی خود اقرار کر رہا ہے کہ: ''میں قادیانیوں کو مسلمان سمجھتا تھا۔'' اور ظاہر بات ہے کہ جب مسلمان سمجھتا تھا تو اُن کی حمایت میں لکھے گئے مضامین بھی اِسی نظریے کے ساتھ لکھے گئے۔ لیکن دوسرا آدمی کہتا ہے: نہیں نہیں! یہ اُن کو مسلمان نہیں سمجھتا، بلکہ اِس کی بات کا

مطلب فلاں اور فلاں ہے۔تاویل القول بما لا یرضی به القائل کی اِس سے بہتر مثال شاید نہ مل سکے۔

خود عمار خان صاحب کے دفاع میں اِس حد تک آگے جانے کے باوجود مولانا راشدی مدظلہم اکابر اہلِ سنت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ مزاج راسخ ہوتا جا رہا ہے کہ ہم نے جس کے خلاف کچھ کہنا ہوتا ہے، اُس کا موقف اُس سے نہیں پوچھتے بلکہ اُس کی چند عبارات کو سامنے رکھ کر خود طے کرتے ہیں اور اگر وہ جواب میں اپنے موقف کی وضاحت کرے تو اُسے یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ماضی میں یہ طرزِ عمل مولانا احمد رضا خان نے اختیار کیا تھا......ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوا ہے......''[ص ۱۶۸]

جبکہ اِس حوالے سے مولانا راشدی مدظلہم کا اپنا طرزِ عمل کیا ہے؟ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے!

۱......عمار خان صاحب خود اپنے موقف کی وضاحت کر رہے ہیں کہ وہ قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔لیکن اِس کے باوجود مولانا زاہد الراشدی مدظلہم مصر ہیں کہ: نہیں! وہ اُن کو مسلمان نہیں سمجھتا تھا۔

۲......اَربابِ الشریعہ نے صرف اور صرف جناب عمار خان صاحب کے دفاع اور اپنے ''آزاد فورم'' نظریہ کو تحفظ دینے کے لیے حضرت امام اہل سنتؒ کے طرزِ عمل کو پیش کر کے اُس سے اپنی مرضی کا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ابن امام اہل سنتؒ حضرت الشیخ مولانا عبدالقدوس قارن صاحب مدظلہم کو کہ انہوں نے بروقت آگاہ فرما دیا کہ 'حضرت امام اہل سنتؒ کا طرزِ عمل پیش کر کے عمار خان صاحب کی حمایت اور اُن کو جواز فراہم کرنا بالکل درست نہیں۔'[الشریعہ جولائی ۲۰۱۳ء، ص:۵۴]

۳......حضرت امام اہل سنتؒ بعض اعمال کو خلاف اولیٰ سمجھتے تھے اور اِس بنا پر سختی نہیں فرماتے تھے۔ اُن اعمال کو حضرت امام اہل سنتؒ کی نظر میں بدعت باور کرا کے کہا گیا کہ: ''حضرتؒ کی سامنے ایسے کام کیے جاتے تھے جن کو وہ بدعت سمجھتے تھے، لیکن کچھ نہیں کہتے تھے۔'' اِس سے مقصود بھی آزاد فورم اور عمار خان صاحب کے گمراہ کن نظریات کی گنجائش نکالنے اور اِسے حضرت امام اہل سنتؒ کے طرزِ عمل سے ہم آہنگ قرار دینے کے سوا کچھ نہیں۔حالانکہ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہم کی تصریح کے مطابق 'حضرت امام اہل سنتؒ اُن کو ''بدعت'' نہیں، ''خلاف اولیٰ'' فرماتے تھے۔'[ایضا]

۴......انھی ارباب الشریعہ نے اپنے کالم میں اکابر علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم کے قیام پاکستان کے وقت کے سیاسی اور جغرافیائی اختلاف کو عمار خان صاحب کے عقائد و نظریات کے اختلاف پر قیاس (مع الفارق) کر کے بھی اپنا من پسند نتیجہ نکالنے کی کوشش کی تھی۔[دیکھیے الشریعہ......]

۵......اسی طرح ایک تازہ تحریر میں بھی حسب سابق دو الگ حیثیت کی باتوں کو خلط ملط کرتے

ہوئے اپنے طرزِ عمل کی تائید ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا گیا کہ:

''میرے اِس طرزِ عمل کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں خود اِس مرحلے سے گزر چکا ہوں اور میرے بزرگوں نے میرے بارے میں وہی طرزِ عمل اختیار کیا تھا جو آج میں کیے ہوئے ہوں۔'' [ص:۱۷۴]

اِس کے بعد مفتی محمود رحمہ اللہ کی وفات کے بعد کے سیاسی اختلاف کی ایک مثال پیش کر کے عمار خان صاحب کے نظریاتی اختلاف کو اُس پر منطبق کرنے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ کہاں سیاسی اختلاف اور کہاں عقائد ونظریات کا اختلاف؟ خدارا...... اِنصاف!

ہم نے نمونہ کے طور پر صرف چند مثالیں پیش کی ہیں۔ حیرت اور بے پناہ حیرت کی بات ہے کہ ''آزاد فورم'' کے اثبات اور عمار خان صاحب کے دفاع میں ہر حد سے تجاوز کرنے والے کس قدر بے باکی سے اکابر اہل سنت پر ''احمد رضا خان صاحب کا طرزِ عمل اپنانے'' کا الزام لگاتے ہیں؟؟

حالانکہ یہ وہی لوگ ہیں جو عمار خان صاحب کے نظریات کو کہیں بھی ''گمراہ کن'' تسلیم نہیں کرتے، لیکن جب مولانا مفتی ابولبابہ صاحب ''امام اہل سنتؒ کی بارگاہ میں!'' کا عنوان قائم کرتے ہیں تو فوراً اُسے ''گمراہ کن'' لکھ دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی بات ہو تو کہتے ہیں ''تنقید برداشت ہے۔'' لیکن مفتی ابولبابہ صاحب کے قائم کردہ عنوان کے بارے ارشاد ہوتا ہے: ''ناقابل برداشت ہے۔'' فیا عجباہ۔

اور یہ وہی لوگ ہیں جو دوسروں کو اخلاقیات کا سبق و درس دیتے نہیں تھکتے، چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''عقیدۂ ختم نبوت کے لیے جدوجہد کرنا عبادت ہے اور قادیانیوں کا ہر محاذ پر تعاقب کرنا ہماری دینی ذمہ داری ہے، لیکن ہر جدوجہد اور محاذ کی کچھ اخلاقیات بھی ہوتی ہے۔ پھر ہمارا دین تو ''دین اخلاق'' کہلاتا ہے، اور ہم ساری دنیا کے سامنے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اخلاق عالیہ کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ کیا خود ہمارے لیے اِن اخلاقیات کا لحاظ کرنا ضروری نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پہ رحم فرمائیں۔ آمین یارب العالمین'' [الشریعہ، ص:۸، ستمبر ۲۰۱۱ء]

لیکن اِسی تحفظ ختم نبوت اور ردِّ قادیانیت کے محاذ کو جب اِن کا صاحبزادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور اُس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے تو پھر اِسی محاذ کی کاوشیں ''عبادت'' تو کجا ''غیر اخلاقی حرکات'' کہلاتی ہیں۔ اَخلاق کی تعلیم دینے والے اِن حضرات کی اپنی اخلاقیات کے چند نمونے ہم سابقہ قسط میں بیان کر آئے ہیں۔ قارئین وہیں ملاحظہ فرمالیں، پھر فیصلہ کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اخلاق عالیہ کا درس دے کر امت کو عملاً کون سے اخلاق دکھائے جا رہے ہیں؟

گستاخی معاف ہو تو اَربابِ الشریعہ کو کم از کم اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کا مشورہ تو ہم دے ہی سکتے ہیں!!

(جاری ہے۔۔۔)

مولانا مفتی رب نواز

غیر مقلدین کا نمازِ نبوی سے اختلاف

منی کی نجاست

حدیثِ نبوی: ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب غیر مقلد نے مرکزی عنوان ''نجاستوں کی تطہیر کا بیان'' قائم کر کے اس کے ذیل میں لکھا ہے:

''امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول ﷺ کے کپڑے سے منی دھودیتی تھی اور آپ اس کپڑے میں نماز پڑھنے تشریف لے جاتے تھے جبکہ دھونے کا نشان کپڑے پر ہوتا تھا'' (نمازِ نبوی صفحہ ۶۷)

یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔ (حاشیہ نماز نبوی)

منی کو دھودینے والی اس حدیث کو ڈاکٹر صاحب ''نجاستوں کی تطہیر کا بیان'' کے تحت لائے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منی ناپاک ہے۔

غیر مقلدین: لیکن اس حدیث کے برخلاف غیر مقلدین کی رائے یہ ہے کہ منی پاک ہے۔

(بدور الاھلہ ص:۵۱۔عرف الجادی ص:۱۰۔ کنز الحقائق ،ص:۱۶۔نزل الابرار ۱/۴۹)

عبدالرؤف سندھو صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''منی ناپاک نہیں۔'' (احناف کی چند کتب پر ایک نظر صفحہ ۱۵۸)

کتے کا جھوٹا پانی

حدیثِ نبوی: ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال جائے تو برتن کو سات دفعہ دھولے اور پہلی بار مٹی سے مانجھے۔'' (نمازِ نبوی صفحہ ۶۸)

صاحبِ حاشیہ نے اس حدیث کے ذیل میں مسلم شریف کا حوالہ دیا ہے۔ (حاشیہ نمازِ نبوی)

ڈاکٹر صاحب اس حدیث کو ''نجاستوں کی تطہیر کا بیان'' کے تحت لائے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

غیر مقلدین: لیکن اس کے برعکس بہت سے غیر مقلدین کی رائے یہ ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''لوگوں نے کتے، خنزیر اوران کے جھوٹے کے متعلق اختلاف کیا ہے زیادہ راجح بات یہ ہے کہ ان کا جھوٹا پاک ہے۔(نزل الابرار:۴۹/۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''کتے کا جھوٹا پاک ہے اور کتا نجس نہیں ہے''(لغات الحدیث:۲/۲۳:ذ)

نمازِ جمعہ کا وقت

حدیث نبوی: ڈاکٹر صاحب ''نماز جمعہ کا وقت'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا۔''(نمازِ نبوی صفحہ ۱۲۷)

غیر مقلدین: لیکن اس حدیث کے خلاف غیر مقلدین کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ نمازِ جمعہ زوال سے پہلے پڑھنا بھی درست ہے۔(الروضۃ الندیہ ۱/۱۳۷۔نزل الابرار:۱/۱۵۲۔فتاوٰی اہلحدیث ۲/۲۲)

داؤد ارشد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''نماز جمعہ زوال سے پہلے بھی پڑھی جا سکتی ہے''(حدیث اور اہلِ تقلید ۲/۵۴۰)

مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اگرچہ امام بیٹھ کر پڑھے

حدیث نبوی: ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

'''' آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف بیٹھ گئے اور بیٹھ کر نماز ادا کی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرتے اور لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرتے۔''(نمازِ نبوی صفحہ ۱۷۵)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر امام کسی مجبوری سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے جیسے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔بخاری میں ہے لم یأمرهم بالقعود کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بیٹھنے کا حکم دیا۔[بخاری ۱/۹۶]

غیر مقلدین: لیکن اس کے برخلاف غیر مقلدین کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اہلحدیث کا یہی مذہب ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں''(تیسیر الباری ۱/۴۳۹)......مزید دیکھئے، توضیح الکلام صفحہ ۱۴۷

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھیں

حدیث نبوی: ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی وہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سراً (آہستہ) پڑھتے تھے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ (امام کے لیے) بسم اللہ زور سے پڑھنے کی کوئی صریح روایت نہیں۔" (نماز نبوی صفحہ ۱۹۰)

غیر مقلدین: لیکن اس کے برعکس غیر مقلدین کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ جہری نمازوں میں بسم اللہ اونچی آواز میں پڑھنی چاہیے۔ (عرف الجادی صفحہ ۳۶)

"جہری نماز میں پکار کر اور سری نماز میں آہستہ سے پڑھنا بہتر ہے" (دستور المتقی صفحہ ۹۲)

مزید دیکھیے، بدیع التفاسیر فاتحہ کی بحث۔ ☆☆☆☆

محمد زبیر سعیدی، کراچی

دیوبندی بریلوی اختلاف، حضرت شہید اسلام رحمۃ اللہ علیہ......اور
ماہنامہ الشریعہ کی......'اعلیٰ اخلاقیات'

مجلّہ صفدر ستمبر ۲۰۱۴ء میں مخدوم محترم حضرت مولانا احسن خدامی صاحب نے لکھا تھا:

''الشریعہ کے کارپردازان نے یہ ظلم کیا ہے کہ اکابرِ دیوبند کے طرزِ عمل کے صرف ایک پہلو یعنی رواداری اور برداشت کو لے کر اس کے مطابق بہت سے حوالہ جات ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کر دیئے ہیں اور اس مجموعہ کو ''اکابر علماء دیوبند کا طرزِ عمل'' قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ صرف وہی اکابر علمائے یوبند کی روش اور طرزِ عمل پر قائم ہیں۔اور دیوبندی کہلانے والے جمہور علماء وعوام گویا اکابر کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔حالانکہ یہ طریقہ کسی طرح بھی انصاف سے مطابقت نہیں رکھتا۔'' [ص:۵۰]

اور یہ بھی لکھا تھا کہ:

''اکابر علماء دیوبند کے طرزِ عمل کو مسخ کرنے کے لیے الشریعہ والوں کی سخت محنت ''قابل داد'' ہے، مگر بہت معذرت کے ساتھ......! ابھی وہ مزید محنت وکوشش جاری رکھیں۔......اکابر کو اپنے طرزِ عمل پر فٹ کرنے میں کامیابی کی منزل تاحال بہت دُور ہے۔[ایضا،ص:۵۲]

بندہ ناچیز سمیت الشریعہ کے طرزِ عمل سے واقف ہر صحیح العقیدہ، منصف مزاج دیوبندی کو مولانا احسن صاحب مدظلہ کی مندرجہ بالا باتوں سے سو فیصد اتفاق ہے۔اور الشریعہ کا ریکارڈ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ان لوگوں نے اکابر دیوبند کو مسلک وفکر اور طرزِ عمل کو مسخ کرنے کے لیے سخت ترین محنت کی ہے۔ اور اس کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سچ، جھوٹ......صحیح، غلط......حق، باطل......کڑوا، میٹھا سب کو خلط ملط کر کے اپنا من چاہا نتیجہ نکالنے اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔لیکن بحمد اللہ اکابر دیوبند کے وارثوں نے اُن کی اِس کوشش کو بری طرح ناکام بنادیا ہے۔

الشریعہ کے طرزِ عمل کو غور سے سمجھنے کے بعد یہ حقیقت واشگاف ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان کے نزدیک دیانت کا معنیٰ 'بددیانتی' اور بداخلاقی کا نام 'اعلیٰ اخلاقیات' ہے۔اسی طرح 'اکابر دیوبند کی مخالفت' کا نام ''علماء دیوبند کا طرزِ عمل'' اور ان کی 'کامل اتباع' کا نام ''ان کے طریقے سے روگردانی'' ہے۔اس کے ثبوت کے طور پر ایک دو نہیں دسیوں بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہے۔زیرِ نظر مضمون میں ہم صرف ایک

مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

جناب عمار خان صاحب الشریعہ کی اشاعت خاص میں شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

''میرے لیے ''دیوبندی بریلوی اختلاف'' کا لفظ ہی موجب حیرت ہے۔ آپ سن چکے ہیں کہ شیعہ سنی اختلاف تو صحابہ کرام کو ماننے یا نہ ماننے کے مسئلہ پر پیدا ہوا اور حنفی وہابی اختلاف ائمہ ہدیٰ کی پیروی کرنے نہ کرنے پر پیدا ہوا، لیکن ''دیوبندی بریلوی اختلاف'' کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دونوں فریق امام ابوحنیفہ کے ٹھیٹھ مقلد ہیں۔ عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی کو امام و مقتدا مانتے ہیں۔ تصوف و سلوک میں دونوں فریق اولیاء اللہ کے چاروں سلسلوں قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی میں بیعت کرتے کراتے ہیں۔

الغرض یہ دونوں فریق اہل سنت والجماعت کے تمام اصول و فروع میں متفق ہیں۔ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کی عظمت کے قائل ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد اور مجدد الف ثانی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تک سب اکابر کے عقیدت مند ہیں اور اکابر اولیاء اللہ کی کفش برداری کو سعادت دارین جانتے ہیں۔ اس لیے ان دونوں کے درمیان مجھے اختلاف کی کوئی صحیح بنیاد نظر نہیں آتی۔ تاہم میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ ان کے درمیان چند امور میں اختلاف ہے، اس لیے میں کسی فریق کا نام لیے بغیر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی تصریحات کی روشنی میں ان کے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔'' [ص:۵۵]

(یادر ہے کہ یہی حوالہ مشہور غیر مقلد جناب زبیر علی زئی نے اپنی کتاب ''امین اوکاڑوی کا تعاقب'' [ص:۱۲] میں بھی نقل کیا ہے۔ اس سے جناب عمار خان صاحب کے علم و تحقیق کا منبع بھی معلوم ہو رہا ہے۔ [ادارہ])

اس اقتباس سے جناب عمار خان صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت شہید اسلام رحمہ اللہ کے نزدیک دیوبندی بریلوی اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں۔ دونوں حنفی ہیں، اور اہل سنت میں شامل ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ عمار خان صاحب بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ آج سے کئی سال قبل جب ''اصلاح مفاہیم'' نامی کتاب کا قضیہ عروج پر تھا، اس وقت حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی مخالفت اور بھرپور مخالفت صرف اس بنیاد پر کی تھی کہ اس کے بعض مندرجات اکابر دیوبند کے مسلک سے مختلف اور بریلوی فکر کے مطابق تھے۔ اِس موضوع پر حضرت شہید اسلامؒ کی تحریر ماہنامہ بینات میں بھی شائع ہوئی اور بعد میں ''آپ کے مسائل'' میں بھی۔

یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ''یہ بحث حضرت شہید اسلامؒ نے شامل نہیں کی اور نہ ہی ان کی مرضی تھی، یہ

تو بعد میں مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ نے شامل کر دی۔'' اس لیے کہ بینات میں حضرت شہید اسلامؒ کی اس موضوع پر تحریرات حضرتؒ کی زندگی میں ہی شائع ہو چکی تھیں، جس پر بعض حضرات نے حضرتؒ کو خطوط لکھے اور حضرتؒ نے اُن کے جوابات عنایت فرمائے۔ اُن خطوط میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرتؒ کی تحریر بینات میں بھی شائع ہوئی تھی۔ اس بحث میں حضرت شہید اسلام رحمہ اللہ نے

۱۔ بریلویوں کو اہل بدعت قرار دیا۔

۲۔ اُن کو اہل سنت سے خارج سمجھا۔ بلکہ اہل سنت قرار دینے کو صریح گمراہی گردانا۔

۳۔ اکابر دیو بند کے مقابلہ میں اُن کو غلط کہا۔

۴۔ اُن کو ایک الگ مسلک اور گروہ شمار کیا۔

۵۔ بریلوی نظریے کی تائید کو ناجائز بتلایا۔

۶۔ اُن کی تائید کرنے والوں سے شدید اختلاف رکھا۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں! کتاب اصلاح مفاہیم کے بارے حضرت شہید اسلامؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱......مصنف نے جگہ جگہ مخمل میں ٹاٹ کی پیوند کاری کی ہے اور شکر میں اپنے منفرد افکار و مفاہیم کا زہر ملا دیا ہے۔[آپ کا مسائل اوران کا حل، ۱۰/۱۰۲]

۲...... یہ کتاب ہمارے اکابر دیو بند کے مسلک و مشرب کی ترجمان ہرگز نہیں۔[ایضا]

۳......اس نا کارہ کو اکابر واسلاف کی کتابوں سے اکتاہٹ نہیں ہوتی، نہ ان کے مطالعہ سے سیری ہوتی ہے، لیکن ہمارے جدید محققین کے اسلوب و انداز سے ایسی وحشت ہوتی ہے ان کی کتابوں کے چند صفحے دیکھنا بھی اس نا کارہ کے لیے اچھا خاصا مجاہدہ ہے، اس لیے اس کتاب کو اٹھا کر دیکھنے ہی کو جی نہیں چاہا۔[۱۰۳]

۴......ان متنازع فیہ مسائل میں جو اعتدال اور توازن ہمارے اکابر کے یہاں نظر آتا ہے اسے یہ نا کارہ ''لسـان المیـزان'' سمجھتا ہے، یہیں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب مصنف کی یہ کتاب ہمارے اکابر کے ذوق و مسلک کی ترجمان نہیں، بلکہ اس کا پلہ اہل بدعت کی طرف جھکا ہوا ہے۔[۱۰۹]

۵......ان متنازع فیہ مسائل میں یہاں (ہندو پاک میں) تین فریق ہیں، ایک گروہ انہی سلفی حضرات کا ہے۔ دوسرا گروہ ہمارے اکابر دیو بند کا ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ یہ کتاب ہمارے اکابر کے ذوق و مشرب کے ساتھ کوئی میل نہیں کھاتی، دیو بندی حلقہ میں یہ کتاب افتراق و انتشار کو جنم دے گی۔......البتہ تیسرا گروہ بریلوی حضرات کا ہے، وہ اپنے موقف کی تائید وحمایت اور ہمارے اکابر کی تجہیل و تحمیق کے لیے اس کتاب کے خوب خوب حوالے دیں گے۔[ص:۱۱۴]

۶......اِس پریشانی میں اُس وقت چند در چند اضافہ ہوجاتا ہے جب دیکھتا ہوں کہ ہمارے شیخ (شیخ الحدیث مولانا زکریا) نوراللہ مرقدہ کے حلقہ ہی کے حضرات جناب مالکی صاحب کے دام عقیدت ومحبت کے اسیر ہیں اور اپنے اکابر کے مسلک ومشرب کو علوی صاحب کے نظریات پر ڈھال رہے ہیں۔[ص:۱۱۶]

۷......اصلاحِ مفاہیم دراصل بریلوی مکتبِ فکر کے ایک فاضل اور جناب مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ایک غالی عقیدت مند کی تالیف ہے جو بریلوی عقائد ونظریات کے لیے مرتب کی گئی ہے۔''[۱۱۷]

۸......اس کتاب کا اصل ہدف دیوبندی حضرات کے مقابلہ میں بریلوی حضرات کے نقطۂ نظر کی بھرپور حمایت وتائید ہے۔[ص:۱۱۷]

۹......جب شیخ علوی مالکی صاحب کا بریلوی طبقہ سے منسلک ہونا عالم آشکارا ہوچکا ہے تو ان کی کتاب کے نکات پر دیوبندی بریلوی اتحاد ومفاہمت کی دعوت دینا دراصل دیوبندیوں کو بریلوی حضرات کے موقف کی حقانیت تسلیم کرنے کی دعوت دینا ہے۔......دوسرے لفظوں میں بلاتکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دیوبندیوں کو بریلوی بن جانے کی دعوت ہے۔اور یہ کہ ہمارے اکابر جو بدعات کے طوفان کے مقابلہ میں اب تک سدِ سکندری بنے رہے ہیں، اب اس دیوار کو توڑ دیا جائے اور عوام کو بدعات کی وادیوں میں بھٹکنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے۔[ص:۱۱۹]

۱۰...... یہ بزرگ جو اصلاح مفاہیم کی بنیاد پر ''دیوبندی بریلوی اتحاد'' کی دعوت لے کر اٹھے ہیں ......ان کا موقف چند وجوہ سے درست نہیں۔[ص:۱۲۱]

۱۱......اصلاح مفاہیم کے ذریعے ان حضرات نے دیوبندی حلقہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف ونزاع کا جو میدان کارزار پون صدی سے گرم رہا ہے، اس میں غلطی اکابر دیوبند ہی کی تھی، اب یہ حضرات چاہتے ہیں کہ دیوبندیوں کو ان کی غلطی کا احساس دلا کر اس غلطی کی اصلاح پر آمادہ کیا جائے۔دوسری طرف بریلوی حضرات کی اصلاح کی کوشش نام کو بھی نہیں، گویا سارا قصور اکابر دیوبند کا تھا، اہل بدعت اپنے طرزِ عمل میں سراسر معصوم اور حق بجانب ہیں۔''[۱۲۲]

۱۲......اصاغر کا کام اکابر کی اتباع وتقلید اور ان کے نقش قدم پر چلنا ہے، نہ کہ ان کی اصلاح۔یہ ناکارہ اپنے اکابرین کا کمترین نام لیوا ہے، اور اپنے اکابر کو ارباب قوت قدسیہ سمجھتا ہے۔دوسرے لوگ برسوں کی جھک مارنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچیں گے میرے یہ اکابر اپنی فراست اور قوت قدسیہ کی برکت سے پہلے دن اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے۔

لیکن 'اصلاح مفاہیم' کی تحریک کی روح یہ ہے کہ ہمارے اکابر نے غلطی کی تھی۔اب ان کے اصاغر

کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کی غلطی کی اصلاح کریں۔ إنالله وإنا إليه راجعون [ص:۱۲۲]

۱۳......ان حضرات نے یہ تو دیکھا کہ اگر دیوبندی، ردِ بدعات میں ذرا ڈھیلے ہو جائیں تو دونوں گروہوں کے درمیان اتفاق واتحاد کا خوش نما شیش محل تیار ہوسکتا ہے۔ مگر ان کی نظر اس طرف نہیں گئی کہ پھر تجدیدِ دین اور ردِ بدعات کا فرض کون سرانجام دے گا؟ اور سنت کے اسلحہ سے لیس ہو کر حریم دین کی پاسبانی کون کرے گا؟ [ص:۱۲۳]

۱۴......اصلاح مفاہیم کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ موصوف بریلوی مسلک کے عالم ہیں۔ [ص:۱۲۴]

۱۵......مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: لیکن بریلوی مسلک کے ماہنامہ 'جہانِ رضا' فروری ۱۹۹۲ کے مطالعہ سے تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ (محمد علوی مالکی) کٹر بریلوی عالم ہیں۔ چنانچہ ایک مقام جناب احمد رضا خان صاحب کے بیٹے مولانا غلام مصطفیٰ رضا بریلوی کو کہنے لگے: سیدی علامہ مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کو ہم ان کی تصنیفات اور تالیفات کے ذریعے جانتے ہیں۔ وہ اہل سنت کے علامہ تھے۔ ان سے محبت کرنا سنی ہونے کی علامت اور ان سے بغض رکھنا اہل بدعت کی نشانی ہے۔'' [ص:۱۲۶]

۱۶......مزید لکھتے ہیں: مندرجہ بالا حالات وواقعات سے واقف ہونے کے بعد تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ مولانا مکی مالکی جو فنافی البریلویت ہیں......اس حد تک مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے عقیدت مند ہیں کہ ان کو اہل حق واہل باطل اور اہل سنت واہل بدعت کے لیے معیار قرار دیتے ہیں۔ [ص:۱۲۹]

۱۷......اور قاضی صاحبؒ کے حوالے ہی سے لکھتے ہیں: ہم دیوبندی بریلوی تنازع بڑھانا نہیں چاہتے، لیکن جب کوئی مسئلہ در پیش آئے گا تو اس کو ہم اکابر علمائے دیوبند کی تحقیق کے مطابق حل کریں گے۔ ہم ان حضرات اکابر علماء دیوبند کو، خاندان ولی اللّٰہی کے بعد مذہبًا اہل السنۃ والجماعۃ کا ترجمان ووارث تسلیم کرتے ہیں۔ [ص:۱۳۳]

۱۸......ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں: اس ناکارہ کے خیال میں ''مقصودِ رسالہ'' ہی محل نظر ہے۔ جن حضرات نے ہمارے اکابر قدس اللہ اسرارہم کے خلاف فتوے لگائے (اور جن کا سلسلہ تادم تحریر پوری حدت وشدت کے ساتھ جاری ہے) ان کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی، نہ کہ ہمارے اکابر کے حاشیہ برداروں کو 'ودوا لو تدھن فیدھنون' کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی جاتی اور اہل بدعت کو اہل سنت منوانے کی راہ اختیار کی جاتی۔ کیا ہمارے ''اکابر کا مسلک ومشرب'' یہی تھا؟ [ص:۱۹۰]

۱۹......بحث کے آخر میں دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کا فتویٰ نقل کرتے ہیں:

[۱] دیوبندیوں کا بریلویوں سے اختلاف فروعی ہی نہیں بلکہ اصولی اور اعتقادی بھی ہے۔...... نیز فریق اول کا یہ قول خلاف واقعہ ہے کہ ہمارے علماء دیوبند اور اکابر دیوبند نے جو سختی اختیار کی تھی وہ عارضی اور وقتی تھی۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ دیوبندیت نام ہی تمسک بالسنہ اور تنفیر عن البدعہ کا ہے۔......دار العلوم دیوبند [ص:۲۲۰]

[۲] لفظ اہل السنۃ والجماعۃ کا اطلاق حضرات اشاعرہ اور ماتریدیہ پر ہوتا ہے۔ احمد رضا خان بریلوی اور ان کی جماعت کا ان دو جماعتوں سے کوئی تعلق نہیں۔......اگر کوئی شخص بریلوی فرقہ کو اہل السنۃ والجماعۃ شمار کرتا ہے تو یہ اس کی صریح گمراہی ہے۔......مظاہر العلوم سہارنپور [ایضا، ص:۲۲۵]

۲۰......اور بالکل آخری سطور میں حضرت شہیدِ اسلام لکھتے ہیں:

''میں آج بھی علوی مالکی کو بریلوی عقیدہ کا حامل اور مبتدع سمجھتا ہوں۔ میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی اور نہ ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے بدعت وہویٰ کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں اور خاتمہ بالخیر کی دعا کرتا ہوں۔'' [ص:۲۲۶]

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت شہید اسلام رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۔ بریلویوں کو اہل بدعت قرار دیتے تھے۔

۲۔ ان کو اہل سنت سے خارج سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کو اہل سنت کہنے کو صریح گمراہی تصور کرتے تھے۔

۳۔ اکابر دیوبند کے مقابلہ میں اُن کو غلط کہتے تھے۔

۴۔ اُن کو ایک الگ مسلک اور گروہ قرار دیتے تھے۔

۵۔ بریلوی نظریہ کی تائید ناجائز سمجھتے تھے۔

۶۔ اُن کی تائید کرنے والوں سے اختلاف رکھتے تھے۔

۷۔ بریلوی عقائد کے حامل کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

اِس کے باوجود اگر عمار خان صاحب اپنے ''غامدی اصولِ تحقیق'' اور ''المورد کی اعلیٰ اخلاقیات'' کے مطابق حضرت شہید اسلام رحمہ اللہ کی دیگر تحریرات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک عبارت پیش کرکے عوام الناس کو دھوکہ دے رہے ہیں تو اُن کو معذور سمجھا جائے، کیونکہ یہ اُن کی مجبوری ہے۔ اب اُن کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ جناب احمد رضا خان صاحب والا حربہ اختیار کریں۔

رہا حضرت رحمہ اللہ کا وہ اقتباس جس میں بریلویوں کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ٹھیٹھ مقلد، عقائد میں امام اشعریؒ وماتریدیؒ کا پیروکار، اہل السنّت والجماعت کے تمام اصول وفروع میں متفق اور مجدد الف ثانیؒ و شاہ عبد العزیزؒ کا عقیدت مند ہونا لکھا گیا ہے، وہ بقول خود اور بزعم خود کے قبیل سے ہے کہ بریلوی حضرات کا

یہ دعویٰ ہے اور وہ اِس کے مدعی ہیں۔ یا پھر اِس اعتبار سے کہ عام طور پر اُن کو بھی ''اہل سنت و جماعت حنفی'' کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل سوال و جواب سے ظاہر ہے:

''**سوال**:......آپ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر شیعہ عقیدہ صحیح ہے تو اسلام معاذ اللہ غلط ہے۔ اور اگر اسلام حق ہے تو شیعہ مذہب کے غلط اور باطل ہونے میں کسی عاقل کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اسلام کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ ہی نہیں۔ اب میں آتا ہوں اپنی مقصودی بات کی طرف کہ شیعہ پکے کافر اور زندیق ہیں تو پھر ان کو 'اسلامی فرقوں' میں شمار کرنا میرے ذہن کے مطابق درست نہیں۔ جس طرح کہ آپ نے کتاب کے نام کے نیچے لکھا ہے: ''جس میں صراط مستقیم کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتے ہوئے مشہور اسلامی فرقوں: شیعہ، سنی......الخ''۔ شیعہ کے ساتھ ہمارا اصولی اختلاف ہے، ان کا کلمہ، اذان، نماز اور دیگر عبادات سب کچھ ہم سے جدا ہے تو پھر اسلامی فرقہ کیسے ہوا؟ آپ نے بھی قوی دلائل سے اپنی کتاب میں اس فرقہ کو کافر ثابت کیا ہے؟؟

جواب: ماشاءاللہ! بہت نفیس سوال ہے۔ اس کا آسان اور سلیس جواب یہ ہے کہ 'اسلامی فرقوں' سے مراد وہ فرقے جن کو عام طور سے مسلمان سمجھا جاتا ہے یا اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔......

اگرچہ اشکال کا صحیح جواب موجود ہے جو اوپر ذکر ہوا، تاہم ہم نے کتاب کے نئے ایڈیشن میں 'اسلامی فرقوں' کا لفظ حذف کر دیا ہے۔'' [آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱۰/۸۴]

اس سے واضح ہوا کہ بریلویوں کو ''اہل سنت و جماعت حنفی'' کہنے سے یہی مراد ہے کہ عام طور پر اُن کو اِس طرح سمجھا جاتا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت شہید اسلامؒ ایک طرف بریلویوں کو اہل سنت قرار دیں اور دوسری طرف بعض بریلوی نظریات کی تائید پر مبنی کتاب کی اشاعت بھی برداشت نہ کریں؟؟

اگر یہ تطبیق عمار خان صاحب کو ہضم نہ ہو تو حضرت شہید اسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کے اِس کلام کو جو شہادت سے کچھ عرصہ قبل کا ہے، پہلے کلام کے لیے ناسخ سمجھ لیں۔ اور پہلے کو منسوخ......!!

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں خواہشات اور نفسانیت سے ہٹ کر دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ☆☆

حضرت شیخ (امام اہل سنتؒ) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''یاد رکھیں! علما کی غلطیوں کا نام دین نہیں ہے۔ بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ الحمد للہ ہمارے اکابر کا طریقہ یہ ہے کہ وہ غلط موقف کی تائید نہیں کرتے۔ اگر کسی صاحب علم بزرگ شخصیت سے کوئی غلطی ہو جائے تو بزرگ شخصیت کو برا بھلا نہیں کہتے، بلکہ ان کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی غلطی کی نشان دہی کر دیتے ہیں۔''

(الشریعہ، اشاعت خاص، مضمون مولانا حافظ یوسف صاحب)

احسن خدامی

مشاہدات بجواب نوازشات

......قسط ۶......

قادیانیت نوازی کے مزید ''شواہدات'':

پچھلی قسط میں جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب کی ایک مبینہ قادیانی کی کتاب پر لکھی گئی تقریظ پر تبصرہ کیا گیا تھا، جناب مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب نے مذکورہ تقریظ کو ''قادیانیت نوازی'' کے زمرے میں شمار کیا ہے۔اس قسط میں ہم قادیانیت نوازی سے متعلق چندمزید اہم باتیں قارئین کے گوش گذار کریں گے۔ان شاءاللہ۔

عمار خان ناصر کا قادیانیوں کو مسلمان قرار دینا:

''نوازشات'' کے ص ۱۵۲ پر جناب مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب نے عمار خان ناصر صاحب کے قادیانیوں کو مسلمان قرار دینے کا قصہ بھی درج کیا ہے۔ حافظ اسامہ مدنی صاحب نے اپنے مضمون ''شواہدات'' میں اس قصے کو بالکل ہضم کرلیا ہے اور اس پر کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔اس قصے میں راقم الحروف عینی شاہد ہے۔اگرچہ اس کو مجلّہ صفدر کے شمارہ نمبر ۳۲ رمیں بیان کیا جاچکا ہے، تاہم نئے قارئین کو آگاہ کرنے اور بات سمجھانے کیلئے دوبارہ اسے مختصرا بیان کر کے پھر ہم اس پر اٹھنے والے سوالات قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

یہ غالباً ۲۰۱۰ء کی بات ہے جب بندۂ ناچیز جامعہ مظاہرالعلوم گوجرانوالہ میں تکمیل کے اسباق میں مشغول تھا، جناب عمار خان ناصر صاحب سے ان دنوں کچھ راہ ورسم باقی تھی اور کبھی کبھی موبائل ایس ایم ایس کے ذریعے تبادلۂ خیالات بھی ہوجاتا تھا، ایک روز یونہی گفتگو کرتے کرتے محترم نے ''انکشاف'' فرمایا کہ: ''قادیانی ہوں یا شیعہ، اصولی طور پر ان میں سے کسی کو بھی کافر قرار نہیں دیا جاسکتا''۔ بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر فرمایا کہ: ''مرزا قادیانی بھی کافر نہیں تھا، بلکہ پاگل، ذہنی مریض تھا''۔ بندہ کے لئے یہ نادر و نایاب انکشافات سخت حیران کن بلکہ انتہائی پریشان کن تھے، مفتیان کرام سے رابطہ کرکے ایسے الفاظ ادا کرنے والے کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو یہی جواب ملا کہ یہ صاحب حدودِ اسلام سے باہر ہوچکے، نکاح ٹوٹ چکا۔ خود عم محترم جناب مولانا زاہدالراشدی صاحب سے کسی کا نام لیے بغیر پوچھا تو جواب ملا کہ: ''یہ الفاظ کہنے والا

خود دائرۂ اسلام سے خارج ہے''۔ اس پر ان کے درِ دولت پر حاضر ہو کر عمار خان صاحب کے موبائل پیغامات دکھائے اور بتایا کہ یہ الفاظ کسی اور کے نہیں بلکہ خود عمار خان صاحب کے ہیں۔ تایا جان کے طلب کرنے اور استفسار پر عمار خان صاحب نے اقرار بھی کیا کہ یہ واقعی انہی کے بھیجے ہوئے پیغامات ہیں، اس پر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے ناراض ہوتے ہوئے اُن سے کہا کہ: ''قادیانی تو قادیانی ہیں، لاہوری مرزائیوں کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے''۔

چند دن بعد جناب عمار خان صاحب نے موبائل پیغام کے ذریعے بندہ کو مبارک دیتے ہوئے اطلاع دی کہ انہوں نے اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا ہے، بندہ کے استفسار پر فرمایا کہ: ''والد گرامی سے گفتگو کے بعد میرے کچھ اشکالات حل ہو گئے ہیں، کچھ سوالات ابھی باقی ہیں، البتہ بطور مؤقف مجھے اپنی بات پر اصرار نہیں رہا''۔ بندہ اس عجیب وغریب ''علمی وتحقیقی رجوع'' پر حیران و پریشان رہ گیا تاہم اس وقت خاموشی اختیار کرنا ہی مناسب سمجھا۔

اپنے رجوع کے ثبوت کے طور پر جناب عمار خان ناصر صاحب نے اپنے والد گرامی جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کو ایک خط بھی لکھا جو کہ مولانا عبد الرحیم چاریاری صاحب نے اپنی کتاب ''نوازشات'' میں درج کر دیا ہے۔ یہ خط بجا طور پر عمار خان ناصر صاحب کی علمی وتحقیقی الٹ بازیوں کا ایک نادر ونایاب نمونہ ہے، قارئین کرام پہلے نمبر وار اس کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں، ان پر تبصرہ کرنے کے بعد پھر ہم اپنی بات کو آگے بڑھائیں گے۔ جناب عمار خان ناصر صاحب اس خط میں اپنے والد گرامی جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱......بحمد اللہ میں نبی ﷺ کے بعد نبوت یا ظلی نبوت کا امکان تسلیم کرنے کو ہی فی نفسہ کفر سمجھتا ہوں۔

۲......اور شیعہ کے عقیدہ کو بھی خالص کفر گردانتا ہوں۔

۳......قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے فیصلے سے بھی ''عملاً'' مجھے کوئی اختلاف نہیں۔

۴......البتہ تاویلات کے پھندوں میں گرفتار ہو کر اس کفر میں مبتلا ہو جانے والے بھولے بھالے (قادیانی) عوام کو اصولی طور پر شبہے کا فائدہ دیا جانا چاہئے (اور مسلمان قرار دینا چاہئے)۔

۵......شیعہ اور بریلویوں کے عقائد بھی کفریہ ہیں، تاہم چونکہ وہ ان عقائد کی تاویل نصوص کے ذریعے کرتے ہیں، اس لیے ان کی تکفیر نہیں کی جاتی۔

۶......اس لحاظ سے مجھے ان میں اور قادیانیوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

۷......اگر آپ سمجھتے ہیں کہ (قادیانیوں کے اسلام اور کفر کے بارے میں) مذکورہ نظری اختلاف بھی ایمان و عقیدہ کو متأثر کرتا ہے تو میں اس میں کوئی بحث کیے بغیر اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔ (نوازشات ص۱۵۲)

قارئین کرام! آپ نے جناب عمار خان ناصر کے ان کے والد گرامی کے نام خط کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائے، اب آپ ذرا مندرجہ ذیل نکات پر غور فرمائیں:

۱......خط میں جناب عمار خان صاحب نے یہ تأثر دیا ہے کہ انہوں نے صرف ''تاویل کے پھندوں میں گرفتار بھولے بھالے'' قادیانیوں کو مسلمان کہا ہے، جبکہ بندہ سے بات کرتے ہوئے انہوں نے عمومی طور پر قادیانیوں کو مسلمان قرار دیا تھا، بلکہ مرزا قادیانی کے کفر کا بھی انکار کیا تھا۔

۲......خط میں انہوں نے قادیانیوں کو مسلمان قرار دینے کی جو وجہ بیان کی ہے، یعنی اپنے عقائد کی تاویل کا رخ نصوص کی طرف کرنا، یہ وجہ جس طرح بریلویوں اور شیعوں کے عوام وخواص کو شامل ہے، اسی طرح قادیانیوں کے بھی عوام وخواص کو شامل ہے۔لہٰذا عمار خان صاحب کا یہ کہنا کہ وہ صرف سیدھے سادے عوام قادیانیوں کو مسلمان کہتے تھے، محض فریب کاری ہے۔

۳......قارئین کرام حیران وپریشان ہوں گے کہ ایک طرف تو جناب عمار خان صاحب قادیانیوں بلکہ شیعوں اور بریلویوں، سب کے عقائد کو کفریہ کہتے ہیں، دوسری طرف ان سب کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور شیعوں کے امام باڑے میں جا کر ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور فخریہ طور پر اپنی یہ حرکت ''الشریعۃ'' میں شائع بھی کرتے ہیں، یہ سب ماجرا کیا ہے؟

دراصل جس طرح شیعہ حضرات نے اپنی ایک اصطلاح بنائی ہوئی ہے کہ وہ حقیقی مسلمان کو ''مؤمن'' اور محض زبانی کلامی مسلمان یا منافق کو ''مسلمان'' کہتے ہیں، اپنی اسی اصطلاح کے مطابق وہ عام مسلمانوں بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی (منافق کے معنی میں) ''مسلمان'' تو کہہ دیتے ہیں لیکن ''مؤمن'' کہنے پر کبھی تیار نہیں ہوتے۔اسی طرح جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی تحقیق انیق یہ ہے کہ کسی کو ''کافر'' کہنے کا حق صرف جناب رسول اللہ ﷺ کو تھا۔آپ ﷺ کے بعد اب کسی بھی یہودی، عیسائی ہندو وغیرہ کو غیر مسلم تو کہا جاسکتا ہے، لیکن کافر نہیں کہا جاسکتا۔مقصد اس ساری علمی ڈرامے بازی کا یہ ہے کہ قرآن پاک میں قتال وجہاد سے متعلق جتنی بھی آیات نازل ہوئی ہیں ان سب میں ''کفار'' سے جہاد کرنے کا حکم ہے، لہٰذا جب کسی کو ''کافر'' ہی نہیں کہا جاسکتا تو جہاد کے حکم سے خود بخود چھٹی مل گئی، اور یہی اس ساری علمی ہیرا پھیری سے مقصود ہے۔

جناب عمار خان صاحب بھی فکری طور پر غامدی ہونے کی وجہ سے اسی نظریے کے حامل ہیں، اسی لیے قادیانیوں کو ''کافر'' قرار دینے پر کسی طرح آمادہ نظر نہیں آتے، اس لیے کہ اگر انہیں کافر کہتے ہیں تو باقی سب کافروں کو کافر نہ کہنے کی وجہ ہاتھ سے جاتی رہتی ہے اور اتنی محنت سے ''استاذ محترم'' کی پکائی ہوئی اس ''علمی وتحقیقی کھچڑی'' سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں جو انہیں کسی طرح منظور نہیں۔ادھر ان کے والد گرامی کو فکری وعلمی معاملے میں

زبردستی اور دھونس کے قائل نہیں، تاہم یہاں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اگر دھونس اور زبردستی سے کام نہ لیا گیا تو مذہبی و دینی حلقے میں اپنا وجود باقی رکھنا ناممکن ہے، لہٰذا اپنے ہی ''زریں'' اصول کو روندتے ہوئے جناب عمار خان صاحب کو یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ: ''تمہاری اور سب باتیں تو برداشت ہیں، تاہم یہ (قادیانیوں کو مسلمان قرار دینے والی) بات برداشت نہیں، اپنے مؤقف پر نظرثانی کرو! (ورنہ الگ ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ)۔

کتنی عجیب بات ہے کہ اس ایک معاملے میں باپ اور بیٹا دونوں اپنی اپنی زندگی کے اہم ترین اُصولوں کو قربان کر رہے ہیں، والد گرامی نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ میں نے اپنی اولاد پر فکری معاملے میں کوئی زبردستی نہیں کرنی، تاہم یہاں وہ نہ صرف زبردستی کر رہے ہیں بلکہ گھر سے نکالنے اور اکیڈمی سے بے دخل کرنے کے لیے بھی آمادہ نظر آتے ہیں۔ بیٹا صاحب کی زندگی کا منشور ہی یہ ہے کہ جب تک بات مجھے خود سمجھ نہ آئے، میں نے کسی کی نہیں ماننی، ساری امت بھی ایک طرف ہو جائے تو کہنا اور کرنا وہی ہے جو اپنے ''ضمیر کی آواز'' ہو......تاہم یہاں وہ بھی فرمانبرداری سے یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ: ''اگر آپ کے نزدیک یہ اختلاف بھی ایمان وعقیدہ کو متاثر کرتا ہے تو میں اس میں کوئی بحث کیے بغیر اس سے دست بردار ہوتا ہوں'' ...... بات کتنی واضح اور صاف ہے، اکابر علمائے دیوبند کی ''اندھی تقلید'' کے خلاف ''علمِ جہاد'' بلند کرنے والے، شاذ اور متروک اقوال کو لے کر جمہور کے خلاف طبلِ جنگ بجانے والے دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کی تقلید پر متفق ہیں، ایک اپنی بات زبردستی منوا رہا ہے، دوسرا بات سمجھ میں نہ آنے کے باوجود اس کو مان رہا ہے۔ کاش کہ یہ دونوں محترم حضرات اس بات پر غور کر لیتے کہ آخر اُن کے اُصول میں کون سی خرابی تھی کہ دونوں ہی اُس کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے، کاش کہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے اُصول پر بھی ٹھنڈے دل سے نظرثانی کر لیتے یا اس کیلئے کچھ حدود وقیود ہی مقرر کر لیتے، تاہم افسوس کہ خود اپنے طرزِ عمل سے اپنے موقف کو جھٹلانے کے باوجود آج بھی دونوں محترم حضرات اسی موقف کے ساتھ سختی سے چمٹے ہوئے ہیں، والد گرامی عقائد اہل سنت کے معاملے میں بیٹے پر سختی کرنے پر آمادہ نہیں اور صاحبزادۂ ذی قدر اپنے فہم کو اکابر کے فہم پر قربان کرنے کو تیار نہیں۔ **فاعتبروا یا أولی الأبصار**......!

۴......عمار خان صاحب کا قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے ہوئے بھی یہ کہنا کہ ''ان کو غیر مسلم قرار دینے کے فیصلے سے مجھے ''عملاً'' کوئی اختلاف نہیں''......بھی ایک عجیب وغریب معمہ ہے جو سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب سے جناب عمار خان ناصر صاحب نے اپنی بات سے مذکورہ بالا ''رجوع'' کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا شروع کیا ہے تب سے وہ ساتھ ''عملی طور پر کافر'' قرار دینے یا ''عملاً کافر'' قرار دینے کا لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ کسی کو کافر قرار دینے کو یوں تعبیر کرنا کہ میں اسے ''عملی

طور پر'' کافر قرار دیتا ہوں، بڑا عجیب وغریب اور بے موقع لفظ ہے، غور وفکر کے باوجود اس لفظ کا کوئی موقع محل سمجھ میں نہیں آتا۔ شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک قادیانی عملی زندگی یعنی شادی بیاہ اور دوسرے احکامات کے لحاظ سے تو کافر ہیں لیکن احکام آخرت کے اعتبار سے کافر نہیں ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگرچہ قادیانیوں کے ساتھ معاملات غیر مسلموں والے ہی کیے جائیں گے، تاہم حقیقی طور پر وہ غیر مسلم نہیں ہیں۔ اس صورت میں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ عمار خان صاحب آج بھی اپنے اسی مؤقف پر قائم ہیں جو ان کا ''رجوع'' سے پہلے تھا، اور لفظی ہیر پھیر کے علاوہ ان کے نظریے اور مؤقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

قادیانیوں سے بائیکاٹ کے بارے میں عمار خان صاحب کا نظریہ:

جس وقت بندہ کی عمار خان صاحب سے موبائل پر بات ہوئی تھی تب انہوں نے کہا تھا کہ قادیانی مسلمان لیکن گمراہ ہیں، اور مسلمانوں کو ان کی گمراہی سے بچانے کیلئے ان کا بائیکاٹ ضروری ہے۔ جب انہوں نے قادیانیوں کو مسلمان قرار دینے سے رجوع کیا تو بائیکاٹ کے مسئلہ پر ان کا مؤقف حیرت انگیز طور پر تبدیل ہوگیا اور اب ان کا کہنا یہ ہے کہ قادیانیوں کا بائیکاٹ دینی حکمت وبصیرت کے خلاف ہے۔ (ماہنامہ الشریعہ، اشاعت خاص) یہ بھی ایک عجیب وغریب لطیفہ ہے کہ جب قادیانی مسلمان تھے تو ان سے بائیکاٹ ضروری تھا، جب کافر قرار پائے تو اب بائیکاٹ حرام ہوگیا، گویا جناب عمار خان صاحب کے نزدیک مسلمانوں کا بائیکاٹ ضروری اور غیر مسلموں کا غیر ضروری بلکہ ناجائز ہے۔

قادیانی کافر، لیکن ان کے کفر کا انکار کرنے والا مسلمان:

جناب عمار خان ناصر صاحب قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر تو کسی نہ کسی طرح آمادہ ہوگئے لیکن اب بھی یہ فرماتے ہیں کہ ان کو مسلمان قرار دینے والا بھی مسلمان ہی رہتا ہے۔ (الشریعہ............) یہ اُن کی مجبوری ہے، اگر وہ یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ قادیانیوں کو مسلمان کہنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے، تو نہ صرف ''استاذ گرامی'' جناب جاوید احمد غامدی کو کافر کہنا پڑتا ہے بلکہ اپنے اسلام اور نکاح کی بھی تجدید کرنی پڑتی ہے، جس کے لیے شاید وہ کسی صورت آمادہ وتیار نہیں ہیں۔

کیا اس عمل کی کوئی تاویل کی جاسکتی ہے؟

بندہ کے ساتھ قادیانیوں کے بارے میں گفتگو کے کچھ عرصے بعد جناب مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے عمار خان صاحب کی ایک پرانی تحریر پر گرفت کرتے ہوئے مضمون لکھا، جس تحریر میں قادیانیوں کی حمایت کی گئی تھی، اور ''سادہ لوح'' قادیانیوں کے مسلمان ہونے کا نظریہ ایک خاص اسلوب میں پیش کیا

گیا تھا۔ عمار خان صاحب کی وہ تحریر میرے ساتھ گفتگو اور اس کے نتیجے میں کئے گئے رجوع سے پہلے کی تھی، لہٰذا یقینی طور پر اسی وقت کی تھی جب وہ قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے، مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کا مضمون ہماری گفتگو اور عمار خان صاحب کے ''رجوع'' کے بعد شائع ہوا تھا۔ لہٰذا عم محترم مولانا زاہدالراشدی صاحب اس بات سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ اس تحریر کے لکھتے وقت عمار خان صاحب قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے اور اس تحریر میں بھی انہوں نے یہی نظریہ بیان کیا ہے۔ تاہم انتہائی افسوسناک بات ہے کہ تایا جان نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے محض اپنے بیٹے کی ناجائز حمایت کے لیے بات کو نہایت غلط رنگ دیا۔ اپنے سحر انگیز قلم اور اسلوب بیان سے انہوں نے پہلے بہت سے واقعات بیان کیے کہ لوگ اپنے ذاتی مفادات کے لیے دوسروں پر قادیانی ہونے کا الزام لگا دیتے ہیں، پھر اپنے اوپر قادیانی نواز ہونے کے الزام کا ذکر کیا، اور آخر میں عمار خان صاحب کو بھی اپنے ساتھ کھڑا کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح مجھ پر قادیانیت نوازی کا الزام لگایا گیا تھا، اسی طرح اب میرے بیٹے عمار خان ناصر پر بھی یہی الزام لگا دیا گیا ہے۔

میرا سوال حافظ اسامہ مدنی صاحب سے یہ ہے کہ جب عمار خان صاحب نے قادیانیوں کی حمایت میں ایک تحریر لکھی، اور مولانا راشدی صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ تحریر قادیانیوں ہی کی حمایت میں ہے، تو انہوں نے کیوں جان بوجھ کر بات کو غلط رنگ دیا؟ اس تحریر پر گرفت کرنے والے علمائے کرام کو کیسے ''علمی اخلاقیات'' سے عاری قرار دیدیا؟ اور کس بنیاد پر ان کے خلاف سخت چڑھائی کر کے ان کو شرمندہ کرنے کی کوشش کی؟ کیا وہ اپنے اس طرزِ عمل کی کوئی توجیہ بیان کر سکتے ہیں؟

کیا محترم حافظ اسامہ مدنی صاحب ان سوالات کے جوابات دے سکتے ہیں کہ:

۱...... جب مولانا زاہدالراشدی صاحب کے نزدیک قادیانیوں کو مسلمان کہنے سے عمار خان صاحب دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے تھے، تو ان کے رجوع کرنے کے بعد ان کا تجدید ایمان اور تجدید نکاح کب ہوا؟ اور ہوا بھی یا نہیں؟

۲...... کفر گمراہی کا آخری درجہ ہے، جب ایک شخص گمراہی کی تمام حدود پھلانگتا ہوا کفر کی حد تک پہنچ جائے تو ایسے شخص کو ایک دینی رسالے کی ادارت اور ایک دینی تعلیمی ادارے کے انتظام پر برقرار رکھنا کیا مسلمانوں کے دین وایمان سے کھیلنے کے مترادف نہیں؟ ایسے شخص کی پہلے اپنی ذہن سازی، عقائد سازی اور تربیت ہونی چاہئے اور اس کے اشکالات وسوالات کا حل کر کے اسے اہل السنّت والجماعت کے عقائد ونظریات پر پختہ کرنا چاہئے یا اسی تذبذب، بے یقینی اور شکوک وشبہات کی حالت میں اسے اپنے اوہام وخیالات پھیلانے کے لیے ایک دینی ماہنامے کی ادارت کی مسند پر سوار کر دینا چاہئے؟ عقل ودانش کیا کہتی ہے؟ حکمت وبصیرت کا فتویٰ کیا ہے؟

(جاری ہے۔۔۔)

قارئین کا انتخاب

غیر مستند کتب سے بچیے! (المرسل: محمد ازہر حسین حقانی، تلہ گنگ)

جب ہم جسمانی دوا کو کسی مستند معالج کے مشورے کے بغیر استعمال کرنا جان کے لیے مہلک سمجھتے ہیں تو دینی کتب کا انتخاب بھی مستند اہل علم کی راہ نمائی کے بغیر کرنا اپنے ایمان کو داؤ پر لگانے کے مترادف ہے۔غلط دوا زیادہ سے زیادہ مہلکِ جان بن سکتی ہے، جبکہ غلط لٹریچر و کتابیں پوری زندگی کے اعمال و نظریات کو متاثر کر کے دنیا و آخرت کی تباہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلاقصد ایسی بات کان میں پڑ جائے تو بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستائے، پرواہ مت کرو۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غیر مستند لوگوں کی تصانیف سے دماغی تفریح تو ممکن ہے، لیکن سکونِ قلب و روح اور محبت آخرت کا وجود عنقا ہی رہے گا۔حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے سامنے کسی شخص نے ہندوستان کے ایک بڑے ادیب اور حکیم الامت رحمہ اللہ کی تصانیف کے بارے میں اپنا موازنہ ذکر کیا کہ ادیب صاحب کی کتب پڑھنے سے دل میں تکبر، جبکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب پڑھنے سے عبدیت اور تواضع پیدا ہوئی ہے۔آپ نے یہ موازنہ سن کر تصدیق فرمائی کہ واقعۃً بات اسی طرح ہے۔

اکابر امت کی مفید عام یہ تجاویز ہمارے لیے ہر دور میں نہایت مفید و مؤثر ہیں۔اور آج کے دور میں جبکہ شرور و فتن اپنی جڑیں معاشرے میں مضبوط کر چکے ہوں، ہمیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مستند اکابر علماء کی دینی کتب کا ذخیرہ اردو میں اس قدر موجود ہے کہ آدمی کو اُن کے مطالعہ سے فرصت نہیں مل سکتی تو پھر ان مستند کتب کو پس پشت ڈال کر غیر مستند کتب کے در پے ہونا عقلمندی نہیں۔یا اللہ ہمیں فکر آخرت اور ایمان پر خاتمہ عطا فرمایئے۔[آج کا سبق،ص:۵۲]

تعزیہ کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا: (المرسل: محمد ازہر حسین حقانی، تلہ گنگ)

محرم الحرام میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلس اور تعزیے کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے جمع ہو جاتی ہے، اس میں کئی گناہ ہیں:

پہلا گناہ: یہ کہ اس میں دشمنانِ صحابہ اور دشمنانِ قرآن کے ساتھ تشبہ ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کا

ارشاد ہے:"من تشبه بقوم فهو منهم" جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی وہ اسی میں سے شمار ہوگا۔

دوسرا گناہ: اس سے ان دشمنان اسلام کی رونق بڑھتی ہے۔ دشمنوں کی رونق بڑھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"من كثر سواد قوم فهو منهم" جس نے کسی قوم کی رونق کو بڑھایا، وہ انہی میں سے ہے۔

تیسرا گناہ: جیسے کسی عبادت کو دیکھنا عبادت ہے، ایسے ہی کسی گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے۔

چوتھا گناہ: ایسے مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہوتا ہے۔ ایسی غضب والی جگہ جانا بھی درست نہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر ایسی بستیوں اور کھنڈرات سے ہوا، جن پر عذاب آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر پہ چادر ڈال لی اور اپنی سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گزر گئے۔[آج کا سبق، ص:۴۲]

اہل تشیع کے ساتھ کھانے پینے سے احتراز: (المرسل: محمد عدنان، ٹنڈو محمد خان)

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ سے کسی نے شیعوں کے ساتھ کھانے پینے کے متعلق سوال کیا تو حضرتؒ نے فرمایا:''نہایت شہرت کو پہنچ چکا ہے کہ شیعہ اگر کسی سنی کو کھانا پانی دیتے ہیں تو اس میں نجاست ضرور ملا دیتے ہیں، اگر اور (کسی چیز کا) موقع نہیں ملتا تو (اس میں) تھوک ضرور دیتے ہیں۔ اس لیے حتی الوسع اس سے احتراز برتنا چاہیے۔[مکتوبات شیخ الاسلام، ص:۳۰۰/۳۰۱]

اسرائیل......اور غزہ (المرسل: محمد سرفراز خان صفدر، لاہور)

......آج تک ہم سمجھتے رہے کہ غزہ پر تو اسرائیل قابض ہے اور باقی عرب علاقے آزاد ہیں۔ مگر اب پتہ چلا کہ اسرائیل تمام عرب پر قابض ہے۔ صرف غزہ آزاد ہے اور برسرِ مزاحمت ہے۔[ایک مبصر]

آج کل کے مفتی: (المرسل: مولانا سید زین العابدین، کراچی)

بعض جگہ تو صرف شوال سے شعبان تک مدرسہ میں مشق رکھ کر مفتی کی سند دیدی جاتی ہے۔ اب نئے نئے بے شمار مفتی پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ فارغین سمجھتے ہیں کہ کورس کر لیا، سند مل گئی، ہم میں اور پرانے مفتیوں میں کیا فرق ہے؟ اپنے نام کے ساتھ لفظ ''مفتی''، پیڈ میں مفتی، ڈاک کے پتے میں مفتی، نام بتاتے وقت لفظ مفتی کی کھپت، یہ سلسلہ زور وشور کے ساتھ جاری ہے۔[فقہی مضامین، مولانا عاشق الٰہیؒ]

حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی اور ہندوستان ضرور آزاد ہوگا۔

[ملفوظات حضرت کشمیریؒ، ص:۳۴۵]

☆......☆......☆......☆

قارئین کی آراء

☆...... ''صفدر'' موصول ہوگیا ہے،صفدر تو حقیقی معنوں میں صفدر (باطل کی صفوں کو چیرنے والا) ثابت ہورہا ہے۔اسامہ مکی کے نام کا اشتباہ ہوالیکن تامل سے دُور ہوگیا۔دیوبندی حلقہ عمار خان (صاحب) کے فکری انحراف اوراہل سنت کے علمی مسلمات سے تجاوز پر متفق اللسان ہے،اس کے باوجود راشدی صاحب کی طرف سے اُسے سہارا فراہم کرنااور اُس سہارے کواسامہ مدنی اور (مولانا) فیاض خان (سواتی) صاحب جیسے دیوبندیت کے مدعی حضرات کا بیساکھیاں دینا نہ صرف ناقابل فہم ہے بلکہ سخت تعجب انگیز ہے۔

(مولانا مفتی عبدالقوی، لاہور)

☆...... السلام علیکم آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں، پہلے میں بھی الشریعہ والوں کی فکر سے کافی متاثر تھا،مگر آپ کے رسالے کے مطالعے سے حقیقت واضح ہوئی اوراپنے اکابر کے طرزِعمل سے ان حضرات کا ہٹا ہوا ہونا سمجھ میں آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اس وقت درحقیقت مودودیت کی طرف جارہا تھا۔ان حضرات کا سارازور اس بات پر ہوتا ہے کہ اپنے اکابر کی بات ہی کا حق پر ہونا ضروری نہیں، بلکہ گمراہ فرقوں کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرکے ان میں بھی جو بات درست ہو اسے قبول کرنا چاہیے۔لیکن عجیب بات یہ ہے کہ تمام اکابر کی متفقہ بات کوٹھکرانے کے لیے تو یہ تیار ہیں،مگر مولانا زاہدالراشدی صاحب ان کے نزدیک گویا غلطی سے بالکل معصوم اورمبرا ہیں۔ان کی کوئی بھی غلطی یہ تسلیم نہیں کرتے۔چنانچہ شواہدات والوں نے پوری بحث میں ان کی (غلط باتوں میں سے) ایک بات کو بھی غلط تسلیم نہیں کیا۔بلکہ تاویل درتاویل کے ذریعے ہر ہر بات کوٹھیک ہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اکابر کی حیثیت ختم کرکے ان کا مقام خودحاصل کرنا چاہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کی محنت کوقبول فرمائیں۔(واجد حسین، جہلم)

☆...... شمارہ ۴۲ دیکھا تو عمار خان صاحب کی گمراہی کی بنیادی وجہ اورحقیقت کھلی۔ہمارے ناقص خیال میں مولانا زاہدالراشدی صاحب اپنے فرزند کی طرف سے کچھ زیادہ ہی حُسن ظن میں مبتلا ہیں، کیونکہ مولانا راشدی صاحب کوخود تو انگریزی آتی نہیں،اوراہل باطل کی کتب کے مطالعہ کی فرصت بھی شاید اُنھیں نہیں۔اُن کا بیٹا مغربی قلمکاروں اور باطل فرقوں کے مضامین سرقہ کرکے اپنی طرف سے پیش کرتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ میرے بیٹے کی تحقیق ہے۔حالانکہ وہ سب سرقہ ہوتا ہے۔تازہ ثبوت یہ ہے کہ الشریعہ کی اشاعت خاص میں عمار خان

(صاحب) نے دیوبندی بریلوی اختلاف پر حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ کی تحریر پیش کرکے اپنا مطلب کشید کرنے کی کوشش کی ہے، وہ تحریر خود اُن کی تلاش کردہ نہیں، بلکہ وہ انہوں نے مشہور غیر مقلد زبیر علی زئی کی کتاب ''امین اوکاڑوی کا تعاقب'' [ص:۱۲] سے لی ہے۔ یہ اور اس قسم کی دیگر عبارات و اعتراضات جن سے اہل باطل، اہل حق پر اعتراضات کرتے ہیں، یہ لوگ اہل باطل کی کتب سے سرقہ کرکے اپنی تحقیق کے نام پہ پیش کرکے عوام کو مغالطہ دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ (مولانا عمران شاہد، جامعۃ الرشید کراچی)

ادارہ صفدر: عمار خان صاحب کے سرقہ والی بات تو شاید ٹھیک ہو، لیکن مولانا راشدی کے بارے یہ آپ کا اُن سے حُسنِ ظن ہے۔ ورنہ معاملہ اِس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

☆...... مولانا احسن خدامی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج شریف؟

پاکستان کے بڑے اداروں کے دس کے قریب مجلّات دیکھتا ہوں، لیکن مجلّہ صفدر کا کوئی مقابلہ نہیں، کیونکہ صفدر نے جہاں حنفیت کا دفاع کیا، وہاں دیوبندیت کے مشن کو بھی چار چاند لگائے۔ حقیقت ہے کہ مسلک کے لحاظ سے پاک وہند میں اس سے بہتر رسالہ ہماری نظر سے اب تک نہیں گزرا۔ اللہ تعالیٰ خاندانِ صفدر یہ اور اس رسالے کے منتظمین کو اور بھی اخلاص عطا فرمائیں۔ (آمین)

والسلام......ثناء اللہ صفدر، چمن، بلوچستان

☆...... محترم مولانا احسن خدامی صاحب! السلام علیکم!

مجلّہ ''صفدر'' کے چند شمارے نظر سے گزرے، بہت مسرت ہوئی کہ مصلحت اور بے جا جانبداری کے اس دور میں بھی یہ تمام تر مخالفتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حق وصداقت کا علم بلند کیے ہوئے ہے۔ باطل نظریات کا تعاقب بلا خوف لامۃ لائم جاری رکھے ہوئے ہے۔ بلا شک وشبہ مجلّہ ہٰذا امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے کاز اور مشن کا سچا اور حقیقی علمبردار ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے۔ اور اسی طرح محنت اور جانفشانی سے حق وصداقت کے چراغ کو جلائے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین والسلام......محمد عبداللہ فاروقی [مانسہرہ]

عرضِ خادم حمزہ احسانی

گوشۂ خاص...... بیاد: مولانا سید اصلح الحسینیؒ

مجلّہ ''صفدر'' کا اولین مقصد سنی دیوبندی نظریے اور فکر کا تحفظ، اس کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کی نشاندہی اور اُن کا بلاخوف لومۃ لائم تعاقب ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس کے اجراء کے موقع پر قارئین سے جو وعدہ کیا گیا تھا، اُس پر پوری استقامت اور تصلّب کے ساتھ ''صفدر'' قائم و دائم ہے۔ زمانہ کے گرم تھپیڑوں کے باوجود خدا تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم کی بدولت ''صفدر'' نے حقائق سے صرفِ نظر کیا نہ مصلحت کی چادر تانی، غیروں کی بھبھکیوں سے ڈرا نہ اپنوں کے طعنوں سے قدم ڈگمگائے، موسلا دھار طوفانی بارش کی طرح برسنے والے مصائب و آلام، تند و تیز آندھی کی مثل ہر جانب سے ٹوٹ پڑنے والی صعوبتیں، سیلاب کی مانند امنڈنے والی مشکلات و تکالیف کے باوجود اس نے اکابر اہل سنت کے مسلک حقہ کو مسخ کرنے اور حق و باطل کو خلط ملط کرنے کی ہر کوشش ناکام بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اور بفضل اللہ تعالیٰ اسے صحیح العقیدہ، متبع سنت اور مسلک دیوبند کے ترجمان علماء و مشائخ کی سرپرستی و دعائیں حاصل ہیں۔ الحمدلله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ ان اکابر کے اعتماد پر پورا اُترنے اور ان کی دعاؤں کا مستحق رہنے کی توفیق رفیق فرمائے۔ اور ہردم ہر آن صحیح فکر کے ساتھ، صحیح رُخ پر دیانت داری و اخلاص سے چلتے رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے آپ سمیت موجودہ اور آنے والی نسلوں کو فکری و نظریاتی طور پر اپنے اسلاف کے ساتھ جوڑے رکھنا ہمارے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اور ہر قسم کے زیغ و ضلال سے اُن کی حفاظت ہمارے ایمان کا تقاضا۔ اکابر اہل سنت کے حالات و سوانح بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور مجلّہ صفدر کی پہچان بھی، کہ وہ گاہے بگاہے اپنے قارئین کی خدمت میں اکابر اہل سنت کی سوانح پیش کرتا رہتا ہے۔ تاکہ اس آئینے میں خود کو دیکھ کر ہم اپنے ایمان و عمل اور نظریے و فکر کو درست کر سکیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری اس محنت کو ٹھکانے لگائیں اور ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھیں۔ آمین

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے تلمیذ اور رفیق و خادم حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ کے تذکرہ و احوال پر یہ ''مختصر ترین گوشہ'' پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے اصل محرک ہمارے فاضل دوست حضرت مولانا زین العابدین صاحب زید قدرہ ہیں، جو اکابر اہل سنت کی سوانح و تذکرہ سے خصوصی شغف رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہر ایک سے بے لوث تعاون کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

انہی کے مشورے اور تجویز پر اس گوشے کا فیصلہ ہوا، انہی کی محنت وکوشش سے مضامین موصول ہوئے، انہی کے واسطہ اور ذریعہ سے کمپوزنگ ہوئی اور انہی کی کاوشوں کا نتیجہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ ناچیز اپنی سستی اور نالائقی کی وجہ سے اس گوشہ میں کوئی بھی کردار نہیں ادا کر سکا، مضامین کا حصول، اہل علم وقلم سے روابط، کمپوزنگ، حذفِ تکرار اور جملہ امور کی تکمیل مولانا سید زین العابدین صاحب نے ہی فرمائی۔ بندہ نے تو صرف اتنا کیا کہ مرتب شدہ تمام مضامین پڑھ لیے اور برادر مکرم مولانا احسن خدامی صاحب، محترم جناب ماسٹر منظور حسین صاحب اور مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب کو نظر ثانی کے لیے اور سب سے منظوری کے بعد طباعت کے لیے ارسال کر دیئے اور بس!......تین صفحاتی مضمون بھی دراصل مولانا زین العابدین صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ان کا اصرار اور مسلسل رابطہ نہ ہوتا تو شاید یہ بھی نہ ہو سکتا۔ بہر حال مختصر یہ کہ اس گوشۂ خاص کا مرتب بندہ ناچیز نہیں مولانا سید زین العابدین صاحب ہیں۔ فجزاه الله أحسن الجزاء

پہلی اور آخری زیارت:

مارچ ۲۰۰۵ء کی بات ہے، بندہ جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا سے چھٹی پر اپنے گھر گجرات گیا ہوا تھا، ''شیخ الاسلام سیمینار، بہاول پور'' کا تذکرہ کانوں نے سنا، اور یہ بھی حضرت داداجان (امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ) اور حضرت صوفی صاحب (مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ) سمیت گوجرانوالہ سے ایک پورا قافلہ جا رہا ہے۔ حضرت داداجی ضعف وعلالت کی بنا پر بیان کرنے سے قاصر ہیں، لہٰذا ابو جی (مولانا عبد الحق خان بشیر مدظلہم) ساتھ جائیں گے اور اُن کا مقالہ پڑھ کر سنائیں گے۔ یہ سن کر ہم بھی جانے کے لیے پر تولنے لگے۔ برادرِ مکرم مولانا احسن خدامی مدظلہ اس وقت جامعہ مدنیہ جدید لاہور میں زیرِ تعلیم تھے اور چھٹی پر گھر آئے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے بسیار کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ اور بالآخر حضرت والد صاحب مدظلہم نے حکم نامہ جاری فرما دیا کہ: تم دنوں بھائی اپنے اپنے مدرسے جاؤ۔ بادلِ نخواستہ بندہ سرگودہا اور برادرِ کبیر لاہور کی طرف عازم سفر ہو گئے۔

حُسنِ اتفاق! دونوں کو اپنے اپنے مدرسے پہنچنے کے بعد اساتذۂ کرام کی طرف سے ''شیخ الاسلام سیمینار'' میں شرکت کی ترغیب ملی، چنانچہ دونوں ایک دوسرے سے بے خبر بہاول پور پہنچ گئے۔ جدین کریمین، والد مکرم اور دیگر احباب بھی پہنچ چکے تھے۔ وہاں ایک دوسرے کی موجودگی کا سن کر بہت خوشی ہوئی اور باہمی ملاقات کے بعد اس میں اضافہ بھی۔

داداجان رحمہ اللہ جس کمرہ میں تشریف فرما تھے اس کے ساتھ والے کمرہ میں ایک ضعیف العمر بزرگ جلوہ افروز تھے۔ سن رکھا تھا کہ اس سیمینار میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بہت سے تلامذہ تشریف لائیں گے۔ اس لیے ناواقفیت کے باوجود انتہائی عقیدت ومحبت سے اُن بزرگ کی زیارت کرتا رہا کہ ضرور یہ بھی اُن خوش نصیبوں

میں سے ہوں گے۔اوراس عقیدت ومحبت میں اس وقت بے حد اضافہ ہوگیا جب یہ سنا کہ یہ بزرگ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے نہ صرف تلمیذ رشید ہیں بلکہ اُن کے بیس سالہ رفیق بھی ہیں۔ سچی بات ہے کہ اپنی قسمت پہ رشک آنے لگا کہ ان ہستیوں کی زیارت کی سعادت حاصل ہورہی ہے اور دل سے اپنے اساتذہ کے لیے دعائیں نکلتی رہیں جو اس سیمینار میں ہماری شرکت کا سبب بنے۔ یہ مولانا اصلح صاحبؒ کی پہلی زیارت تھی جو بندہ کو نصیب ہوئی۔

اسے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی مقبولیت عنداللہ کا عروج سمجھئے یا حسنِ اتفاق، اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ میں سے جو محبوبیت ومقبولیت، تلامذہ ومتعلقین کا والہانہ تعلق اور لگاؤ حضرت مدنی رحمہ اللہ کو نصیب ہوا کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سب اکابر سے عقیدت اور اُن کا احترام اپنی جگہ، اس میں کمی ضرور باعث محرومی اور سخت بدنصیبی ہے۔ لیکن حضرت مدنی رحمہ اللہ سے محبت وتعلق اس قدر وارفتگی ودیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا ہے کہ حضرتؒ کا نام آتے ہی جسم کا رواں رواں خوشی ومسرت سے لبریز اور آنکھیں عقیدت واحترام سے جھک جھک جاتی ہیں۔ بندہ تو اپنے احباب سے کہتا رہتا ہے اور سچ ہی کہتا ہے کہ تاریخ اسلام میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعد اگر کسی کی محبت سب سے زیادہ اپنے دل میں پاتا ہوں تو وہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ذات بابرکات ہے۔ اور یہ حال صرف میرا نہیں، حضرت رحمہ اللہ کے تلامذہ ومتعلقین کو دیکھتا، سنتا اور پڑھتا ہوں تو ہر ایک اپنے شیخ واستاذؒ پر ہر وقت فدا ہونے کو تیار نظر آتا ہے۔ اللہ پاک اُن کی اِس محبت کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے میں معاون ومددگار بلکہ اس کا ذریعہ بنادے اور روزِ قیامت ہمیں اُن کے قدموں میں جگہ نصیب فرمادے۔ آمین

واقعۃً حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ''سیمینار'' میں موجود تھی، جن کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے رہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس سیمینار میں بزرگوں اور باہر سے تشریف لانے والے اکابر کو بیانات کرنے اور مقالات پڑھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیا جاتا۔ بہرحال یہ بھی غنیمت کہ ان ہستیوں کی زیارت نصیب ہوئی جنھیں شیخ مدنی رحمہ اللہ کو دیکھنا نصیب ہوا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اس کے بعد جب کبھی بھی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلامذہ کا ذکر ہوتا تو ضرور مولانا سید اصلح حسینی رحمہ اللہ کا نام نامی بندہ کی زبان پر ہوتا، کیونکہ آپؒ کی گوشہ نشینی کی وجہ سے اکثر احباب آپ سے ناواقف تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلامذہ کا تذکرہ ہوا ہو اور مولانا سید اصلحؒ یاد نہ آئے ہوں۔

گزشتہ سے پیوستہ رمضان المبارک میں جب قسمت نے چندروز کے لیے ''شہداء کے دیس'' پہنچایا تو مختلف احباب سے معلومات لینی شروع کردیں کہ مولانا سید اصلح مدظلہم کہاں رہتے ہیں؟ ملاقات و زیارت کی کیا صورت ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ ڈھیروں جزائے خیر نصیب فرمائیں مولانا نوراللہ رشیدی مدظلہ کو، ان کی خدمت میں گزارش کی کہ مولانا اصلح مدظلہم کی زیارت وملاقات اور اُن سے اجازتِ حدیث کی تمنا دل میں لیے پھر رہا ہوں!!۔ مولانا نے کمالِ شفقت اور نوازش کا معاملہ فرمایا اور فوراً کہنے لگے: کسی دن ترتیب

بنالیں، اکٹھے چلتے ہیں، اُن سمیت دیگر بزرگوں کی زیارت وملاقات کی سعادت حاصل کریں گے، اُن میں مشہور ومعروف بزرگ کم اور گوشہ نشین زیادہ ہوں گے۔

مقررہ دن ہم دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو حضرتؒ کے صاحبزادہ محترم نے بتایا کہ: ''طبیعت ناساز اور ضعف بہت زیادہ ہے۔ گھر کے اندرونی کمرہ میں آرام فرما ہیں، مہمانوں سے مہمان خانے میں ملاقات فرماتے ہیں، اِس وقت باہر آنا مشکل ہے۔ آپ اگر افطاری کے وقت آجائیں تو اُس وقت حضرت یہاں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ آسانی اور سہولت سے ملاقات ہوجائے گی۔'' اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم رخصت ہوئے اور شام کو حسب وعدہ بندہ اور بندہ کے رفیق مولانا ندیم انور افطاری ونمازِ مغرب کے متصل بعد حاضر ہوگئے۔ صاحبزادۂ گرامی نے بتایا کہ آج حضرت افطاری کے لیے مہمان خانے میں تشریف نہیں لائے۔ لیکن آپ تشریف رکھیں، میں دیکھتا ہوں، اگر سہولت سے آسکتے ہیں تو لے آتا ہوں۔

چند منٹ انتظار کے بعد دیکھا کہ حضرتؒ بذات خود چار ٹانگوں والی بیساکھی کے سہارے انتہائی مشکل سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ چہرے پر سخت تکلیف کے آثار بہت نمایاں ہیں۔ نہایت ہی افسوس ہوا کہ حضرت کو تکلیف کیوں دی؟ پھر کسی دن حاضر ہوجاتے۔ ندامت، شرمندگی اور عقیدت ومحبت سے ملے جلے جذبات لیے آگے بڑھے تو حضرتؒ نے بھی بے تکلفانہ اور قدرے ناراضگی کے انداز میں فرمایا: مجھ بیمار اور ضعیف وکمزور کو تکلیف دیتے ہوئے آپ کو احساس نہیں ہوا؟ ہم تو ندامت سے زمین میں گڑنے لگے، لیکن قربان جاؤں شفقت پر کہ بیٹھتے ہی حال احوال پوچھنے لگے۔ اپنی معذوری اور علالت کا ذکر کرتے ہوئے معذرت کرنے لگے۔ حضرت کو تکلیف دینے پر ندامت اس قدر ہو رہی تھی کہ اجازتِ حدیث کا خیال ہی ذہن سے نکل گیا۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد ہم نے اجازت لی اور رخصت ہوگئے۔ یہ اُن سے آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد بندہ ناچیز زیارت واجازت حدیث کے بے انتہاء شوق اور کراچی میں رہنے کے باوجود بھی حضرؒت کو تکلیف دینے کا حوصلہ نہ کر پایا۔

۶ رشعبان ۱۴۳۵ھ کو کسی کام سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن جا رہا تھا، ابھی راستے میں ہی تھا کہ موبائل پیغام کے ذریعے خبر ملی: مولانا اصلح حسینی رحمہ اللہ انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مغرب کی نماز کے متصل بعد جنازہ تھا۔ جنازہ سے قبل حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی مدظلہم کا بیان ہوا۔ جو کسی مضمون میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔ برادرِ عزیز محمد اسامہ مجاہد دین پوری سلمہ اللہ بھی اتفاق سے وہیں تھے، دونوں کو جنازہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرتؒ نے سو سال عمر پائی، اور اُس روز

ع اِک صدی کا قصہ تمام ہوا

☆......☆......☆......☆

تاثرات

تلمیذ مولانا ارشد مدنی حضرت مولانا شفیق احمد بستوی مدظلہم [فاضل: دار العلوم دیوبند]

اِس دنیائے آب وگل میں آکر اِنسان اپنی مقررہ حیات گزار کر دارِ بقاء کی طرف کوچ کر جاتا ہے لیکن وہ اپنی زندگی کے عملی کارناموں، خوبیوں، عمدہ صفات اور قابل قدر نسبتوں کی بنا پر تادیر بزمِ انسانی میں اس طرح یاد رکھا جاتا ہے کہ وہ عموماً لوگوں کی گفتگو کا موضوع بنا رہتا ہے اور لوگ اس کی باتوں اور کردار کو یاد کر کر کے اُس کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ گویا وہ شخص دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی زندہ جاوید رہتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی بھی یہیں کہیں موجود ہے۔

حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی علیہ الرحمۃ بلاشبہ اسی قسم کی ایک قابل رشک شخصیت تھے، جنہوں نے عملی جدوجہد اور حسن کردار سے بھرپور اور ایک طویل عمر گزاری اور خیر الناس کا مصداق بن کر دارِ فناء سے دارِ بقاء کی طرف تشریف لے گئے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ''سب سے بہتر آدمی کون؟'' فرمایا: ''جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں''۔ اسی طرح حضرت مرحوم نے بھی طویل یعنی ایک صدی سے کچھ زائد زندگی پائی اور پوری زندگی علم وعمل کے میدان میں گزاری۔

حضرت مرحوم کے عقیدت ومحبت کے نقوش احقر کے ذہن وضمیر پر اِس لیے نمایاں تھے کہ وہ احقر کے بعض معزز ترین اساتذہ کے اُستاذ تھے، چنانچہ اُستاذِ محترم حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہٗ کے اُستاذ تھے، جب کہ قیامِ پاکستان سے قبل دار العلوم کے شعبۂ فارسی میں آپؒ تدریس فرماتے تھے اور حضرت اُستاذِ محترم اُن سے فارسی کی ابتدائی کتب پڑھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اُستاذِ محترم جب بھی کراچی تشریف لاتے تو حضرت مولانا مرحوم کے گھر زیارت کے لیے ضرور تشریف لے جاتے تھے، اسی طرح اُستاذِ محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحب علیہ الرحمۃ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند بھی آپؒ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں، اس کی تفصیل احقر کے علم میں نہیں ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ سے اُستاذی مرحوم نے دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی تھی، یا کہ قصبہ گلاؤٹھی بلندشہر میں، کیونکہ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمۃ اللہ علیہ بھی گلاؤٹھی کے رہنے والے تھے، اسی طرح حضرت اُستاذ مرحوم بھی گلاؤٹھی کے ہی باشندہ تھے اور آپؒ کے برادرِ کبیر حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ چونکہ دار العلوم میں ایک طویل عرصے سے تدریسی فرائض

انجام دے رہے تھے، جن کے بارے میں احقر نے اپنے والد مرحومؒ سے بارہا سنا کہ وہ فلکیات کے بڑے ماہر تھے، اوقاتِ صلوٰۃ اور سحر و افطار کے اوقات کی تخریج کا کام دارالعلوم میں عموماً وہی انجام دیتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کو دارالعلوم میں بلوالیا جہاں اُنہوں نے مکمل تعلیم حاصل کر کے بالکل اِبتدائی درجات سے تدریس کا آغاز کیا اور مسلسل تدریس فرماتے ہوئے شیخ الحدیث کے عظیم منصب تک جا پہنچے، جو کہ بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، دارالعلوم دیوبند کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو اِتنی طویل المدت خدمات کا شرف رکھنے والی شخصیات بھی بہت کم نظر آئیں گی جو کہ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کو حاصل رہا ہے ایک اندازہ کے مطابق آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ساٹھ سال سے زائد عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں اور تقریباً پچانوے سال کی عمر پا کر فوت ہوئے اور یہ عظیم خدمات والی شخصیت بھی حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی علیہ الرحمۃ کے صدقاتِ جاریہ میں شامل ہے۔

حضرت مرحوم کے نام کے ساتھ "الحسینی" کی نسبت اِس بات کا واضح اِشارہ ہے کہ آپؒ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا قریبی تعلق تھا اور اس تعلق کی ہی کشش تھی کہ اپنے نام کے ساتھ اپنے اُستاذ و مرشد کی نسبت کو تاحیات جوڑے رکھا جو گویا کہ آپ کے نام کا جز و لاینفک بن گیا تھا۔

مولانا مرحوم نے ایک سایہ دار درخت کی طرح مرورِ ایام کے احوال و اِنقلابات کو دیکھتے ہوئے بھی ہر حال و ہر موسم میں راہِ حیات کے بے شمار مسافروں اور راہ گیروں کو چھاؤں بخشی، سکون بخشا، جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں نہ جانے کتنے قافلے راحت و سکون سے مستفید ہوئے اور نہ معلوم کتنے مسافر ایسے ہیں جواب اس کی چھاؤں کو ترستے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں بہترین مقام عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر و سکون بخشے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

جانشین حضرت جلال پوریؒ حضرت **مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ** مدظلہم [مدیر: ماہنامہ بینات، کراچی]

دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل و سابق مدرس، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے تلمیذ خاص، شاگردِ رشید اور سفر و حضر کے خادم، ماہنامہ بینات کراچی کے ابتدائی دور کے معاون مدیر، شیخ المشائخ حضرت مولانا سیّد محمد اصلح الحسینیؒ ۷ رشعبان المعظم ۱۴۳۵ھ مطابق ۶ رجون ۲۰۱۴ء بروز جمعہ اس دنیائے فانی میں ایک صدی رہنے کے بعد داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے راہیِ عالم عقبیٰ ہو گئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون۔ إن لله ما أخذ وله ما أعطى و كل شئ عندهٗ بأجل مسمّى۔

حضرت مولانا سیّد محمد اصلح الحسینیؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے گوناگوں صفات سے متصف فرمایا تھا۔

آپ جید عالم، بہترین ادیب، ماہر انساب، کہنہ مشق سیاستدان اور سب سے بڑھ کر حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے سلسلہ کو آگے بڑھانے والے اور آپ کے انداز واطوار پر مضبوطی سے عمل پیرا اور آپ کی روایات کے امین و محافظ تھے۔یہی وجہ تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے فرزندانِ ارجمند فدائے ملت حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنیؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا سیّد محمد ارشد مدنیؒ جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو حضرت مولانا سیّد محمد اصلح الحسینیؒ کی زیارت وملاقات کے لئے ان کے ہاں ضرور تشریف لے جاتے، بلکہ ایسا بھی ہوا کہ کراچی آمد کی غرض ہی صرف چند اشخاص کی زیارت وملاقات ہوتی تھی، جن میں سے حضرت مولانا قاری شریف احمد اور حضرت مولانا سیّد محمد اصلح الحسینی نوراللہ مرقدہما ایسے بزرگوں کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔راقم الحروف کو بھی ان بزرگوں کی معیت میں ایک دوبار حضرتؒ کے گھر جانا اور آپ کی زیارت کرنا نصیب ہوا۔حضرت مرحوم کا وجود با مسعود اہل پاکستان اور خصوصاً اہل کراچی کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام تھا۔یہی شخصیات ہوتی ہیں جن کی دعاؤں کی برکت اور دعائے سحر گاہی سے بلائیں دور ہوتی ہیں، ان کے وجود کی برکت سے اہل زمین بہت ساری افتادوں اور آزمائشوں سے بچے رہتے ہیں۔

پاکستان میں رہتے ہوئے آپ نے علمی وسیاسی حوالوں سے زیادہ روحانی حوالوں کی طرف توجہ فرمائی۔ پاکستان آنے کے بعد اگرچہ آپ نے علمی وسیاسی معاملات کو از سرِ نو شروع کرنے کے لئے کوشش کی، مگر ''بینات'' اور ''دار التصنیف'' کے علاوہ کہیں باقاعدہ بات نہ بن سکی۔

حضرت مولانا اصلح الحسینیؒ کی زندگی جہد ومشقت، مجاہدہ وجفاکشی اور صبر آزمائی سے عبارت رہی، جو حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی حیات طیبہ کی تصویر ہے۔حضرتؒ کی نماز جنازہ ۶/جون ۲۰۱۴ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مدنیؒ کے ایک اور نامور شاگردِ رشید حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب مدظلہ نے پڑھائی۔ کثیر تعداد میں علماء وطلبہ نے شرکت کی۔ قارئین ''بینات'' اور ''نسبت مدنیہ'' کے عقیدت مندوں سے دعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

أللّٰھم اغفر لہٗ وارحمہ۔وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین

مولانا سید زین العابدین، کراچی

مولانا اصلح الحسینیؒ...... کا سفر آخرت

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں، بیداری کا اِک پیغام ہے

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید اور رفیق خاص، دار العلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور سابق مہتمم دار العلوم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے ہم درس حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ کئی دن ہسپتال میں زیر علاج رہ کر ۱۰۰ ؍سال کی عمر میں بروز جمعہ ۶ ؍جون ۲۰۱۴ء کو شام کے وقت اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے، جمعہ ہی کو بعد مغرب جامعہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی دامت برکاتہم کی زیر امامت نماز جنازہ ادا کر کے برصغیر پاک و ہند کی پوری ایک صدی کی تاریخ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔

علمائے دیوبند کی موجودہ قدآور شخصیات میں ان کا قد سب سے اونچا تھا وہ حضرت مدنیؒ کی صحبت اُٹھانے کے حوالے سے سب سے فائق تھے،غرض وہ ہر طرح سے لائق تحسین تھے۔

انہوں نے حضرت مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھ کر علمی فیض حاصل کیا، پھر اُن سے بیعت ہوئے اور یوں علمی فیض کے بعد عملی اور روحانی برکات وثمرات کی تحصیل بھی کی اور ایک عرصہ تک سفر وحضر میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ خادم ورفیق خاص کی حیثیت سے ساتھ رہے، استاذ وشاگرد اور مرشد ومرید میں تعلق خاطر کا یہ عالم ہوگیا کہ حضرت مدنیؒ نے ہی پھر آپ کی شادی کرائی،تقریب میں شریک رہے؛ بلکہ اخراجات تک کا بندوبست کیا، حضرت مدنیؒ کی مئے معرفت ومحبت سے تو جام جام بھر بھر کے پیے ہی تھے، ساتھ ساتھ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی زیارتیں، حضرت محدث دیوبندیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مفتی کفایت اللہؒ، حضرت شیخ الادب صاحبؒ، حضرت بلیاویؒ، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت ابوالمحاسن سجادؒ، مولانا آزادؒ، حضرت میرٹھیؒ، حضرت عثمانیؒ، حضرت لاہوریؒ اور اس عہد کے دوسرے بزرگوں کی صحبتیں، مجلسیں اور عنائتیں بھی خوب خوب حاصل کیں اور حضرت سیوہارویؒ، حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ، حضرت مولانا عبد الحق نافعؒ، حضرت بنوریؒ، حضرت پھول پوریؒ کی رفاقتیں بھی میسر آئیں۔

یہی صحبتیں ورفاقتیں ہیں جن کی بنا پر احقر نے شروع میں عرض کیا کہ ''علمائے دیوبند کی موجودہ قد آور شخصیات میں ان کا قد سب سے اونچا تھا'' وہ واقعی بڑے تھے اور بہت بڑے تھے، اس بات کی حقیقت وہ شخص سمجھ سکتا تھا جو ان کے پاس کچھ دیر کے لیے حاضر ہوتا یا اب ان کی وفات کے بعد حضرت مدنیؒ کے موجودہ صحبت یافتہ حضرات سے حضرت حسینیؒ کے بارے میں پوچھے ؎

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشہ کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں مہتمم دارالعلوم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس شاگرد کا ''اسماء گرامی حضرات مدرسین درجہ فارسی'' کی فہرست میں اٹھارویں نمبر پر یوں ذکر کیا ہے، ''مولانا اصلح الحسینی مدظلہ، گلاؤٹھی، ابتدائی سن ۱۳۶۲ھ تا آخری سن ۱۳۶۷ھ'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند، از حضرت حکیم الاسلام مہتمم دارالعلوم، ص:۱۱۶، طبع: دار الاشاعت، کراچی، ستمبر ۱۹۷۲ء/) اس فہرست میں حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی، رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا خلیفہ منشی عاقل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی بھی موجود ہیں۔

موصوف کی ولادت حضرت اقدس مولانا سید محمد صالح صاحب مرحوم کے گھر ضلع بلند شہر کے قصبہ گلاؤٹھی میں بروز جمعرات، ۲۶/محرم الحرام ۱۳۳۲ھ، مطابق ۲۵/دسمبر ۱۹۱۳ء کو ہوئی، والد صاحب حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔

حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ تقریباً ۱۹۲۷ء/ کے لگ بھگ دارالعلوم دیوبند آئے، حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ ڈابھیل چلے گئے، تو ۳۱۔ ۱۹۳۲/ میں حضرت مدنی، حضرت میاں اصغر حسین صاحب، حضرت بلیاوی، حضرت شیخ الادب، حضرت قاری صاحب اور حضرت مولانا رسول خان ہزاروی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم اکابرین سے دورۂ حدیث پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

دورۂ حدیث میں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مہاجر مدنی بن حضرت لاہوری، حضرت مولانا محمد ایوب جان صاحب بنوری، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب اور حضرت اقدس مولانا عبدالحنان صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ ان کے ہم درس رہے۔

فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم ہی میں فارسی کے مدرس مقرر ہوئے، درجہ فارسی میں مثنوی، سکندر نامہ وغیرہ پڑھاتے رہے، کئی شخصیات ان کے شاگردوں کی فہرست میں آتی ہیں۔ جن میں حضرت

مولانا عبید اللہ انورؒ بن حضرت لاہوریؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خانؒ (سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند)، حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی مدظلہٗ، (حال استاذ حدیث دار العلوم دیوبند)، حضرت مولانا ریاست علی بجنوری (حال استاذ حدیث دار العلوم دیوبند)، جناب الحاج محمد رضی عثمانی صاحبؒ بن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ (مفتی اعظم پاکستان)، جناب الحاج محمد ولی رازی صاحب بن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ۔

دار العلوم دیوبند اور حضرت شیخ الاسلامؒ سے بے پناہ محبت و تعلق تھا، حضرت کی خدمت میں رہتے، اور فیوض و برکات سمیٹے، لیکن بعض اضطراری حالات کی بنا پر حضرت مدنیؒ اور دار العلوم دیوبند سے جدائی کو برداشت کرنا پڑا، تقسیم ہند کے بعد آپ کی ہمشیرہ جو پاکستان میں تھیں ان کی بیماری کی خبر آئی، چونکہ بچپن میں والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا، ہمشیرہ سے تعلق ماں جیسا تھا، اس لیے ان کے پاس آگئے، اس وقت بآسانی واپس ہندوستان جانے کے راستے تقریباً مسدود ہو گئے تھے، اس وجہ سے چارو ناچار دیوبند اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی حسرتیں دل ہی دل میں رکھ کر یہیں کے ہو رہے، نقلِ مکانی کے بعد دار التصنیف حب ریور روڈ سے منسلک رہے، محدث العصر حضرت علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بینات میں بھی کچھ وقت کام کیا، بعض جگہ درسِ حدیث کی بھی بات چلی، مگر بوجوہ ایسا نہ ہو سکا، علمی مصروفیت کا کوئی ایک جلی عنوان قائم نہ ہو سکا۔ وَكَانَ اَمْرُاللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا.

صحافت حضرت کا خاص موضوع رہا تھا، کلکتہ میں مولانا ابو المحاسن سجادؒ کی سرپرستی میں "البلاغ" میں کام کرتے رہے، مولانا آزادؒ کے رسائل و جرائد میں بھی کام کیا، الجمعیۃ دہلی میں بھی لکھتے رہے، جمعیت علماء ہند سے تعلق تھا، تحریکِ آزادی میں حصہ لیا، جیل بھی جانا پڑا، لیگ و کانگریس کے داخلی معاملات سے بھی خوب واقفیت رہی، حضرت شیخ الاسلامؒ کے سیاسی مسلک کے حوالے سے ان کی معلومات سند کا درجہ رکھتی تھیں۔ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحبؒ سے دوستانہ تعلق تھا۔

آپ کی بیعت کا تعلق براہِ راست حضرت مدنیؒ سے تھا، اور خلافت حضرت مولانا پیر خورشید احمد ہمدانیؒ (خلیفہ اجل حضرت مدنیؒ) سے حاصل تھی۔ آپ نے بھی کئی ایک بڑی شخصیات کو خلافت عطا فرمائی، ان میں مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی مدظلہٗ، مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہٗ، مولانا سید ارشد مدنی مدظلہٗ، مفتی عبد الرؤوف غزنوی مدظلہٗ، مولانا ظفر احمد قاسم مدظلہٗ، مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہٗ اور مولانا حافظ حسین احمد صاحب شامل ہیں۔

حضرت والا مولانا سید محمد اصلح صاحب الحسینی رحمہ اللہ گلشن اقبال ۱۳ ارڈی، کراچی میں برخوردار محترم جناب سید طٰہٰ صاحب کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔

بلاشبہ آپ کی رحلت اُمتِ مسلمہ کا بڑا خسارہ ہے، کہ آج وہ شخصیت اس دنیا سے اٹھ گئی جس کے نام کے ساتھ ''رفیق خاص شیخ الاسلامؒ'' لگا کرتا تھا۔

صراحی روتی اٹھی، جام اَشک بار اٹھا
پھر آج مے کدہ سے ایک بادہ خوار اٹھا

لیکن

جوہر انساں، عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں

حضرتؒ تو رخصت ہوگئے، لیکن ان کے خلفاء میں مولانا عبدالحلیم چشتی، مولانا ارشد مدنی اور مولانا عبدالمجید لدھیانوی جیسے حضرات جب موجود ہیں تو یقیناً ان کا فیض جاری ہے، حق تعالیٰ اسے جاری وساری رکھے اور حضرتؒ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ نیز اس وقت حیات وہ حضرات جنہوں نے حضرت مدنیؒ سے براہِ راست استفادہ کیا ہے، جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی، حضرت مولانا محمد عبیداللہ اشرفی، حضرت مولانا سلیم اللہ خان، حضرت مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، حضرت مولانا محمد جمشید علی اور حضرت مولانا مجاہد الحسینی وغیرہ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اوران حضرات کو صحت وعافیت عطا فرما کران کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے۔ آمین

☆☆☆☆

وفیات

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم کی عزیزہ — حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی کے عزیز

محترم جناب جنید صاحب [لاہور] کے والد محترم — صوفی غلام نبی صاحب [گجرات]

قارئین صفدر سے جملہ مرحومین اور اُن کے پسماندگان کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

مولانا ساجد احمد صدوی☆

روشنی کے مینار

زمانہ دیکھے ہوئے لوگ زندہ تاریخ ہوا کرتے ہیں، ان کی باتیں، ان کی معلومات، خیالات اس عہد کی یاد دلاتے ہیں جس کو وہ پیچھے چھوڑ کر آئے ہوتے ہیں، ان کی زندگی، ان کے مشاہدات، تجربات اس ماحول، مجالس، معاشرہ کی جھلک پیش کرتے ہیں، جس کو اب صرف تاریخ کے بے جان اوراق میں ہی دیکھا جا سکتا ہے، جو شخصیات لمبی عمر پاتی ہیں، وہ پچھلی زندگی، اس کی روایات، اس کے مسائل، چھوٹے بڑے واقعات، حالات، تجربات، قصے کہانیوں اور سربستہ رازوں کی جیتی جاگتی کتابوں کا درجہ رکھتی ہیں؛ بلکہ کتابوں میں مذکور مواد کی بھی تصدیق وتردید، مبہم کی توضیح، اجمال کی تفصیل انہی سے حاصل ہوتی ہیں؛ تاریخی پیچیدگیوں کو وہی حل کرتے ہیں؛ واقعات، تاریخ ان کے سامنے رقم ہوئی ہوتی ہے، وہ اس کے عینی شاہد اور داخلی رموز واشارات کے شناسا ہوتے ہیں۔

مستقبل کے لیے تیاری، حال میں ہوتی ہے اور حال کے لیے ماضی سے مضبوط رشتہ استوار رکھنا، اس کی ہر اونچ نیچ سے واقف ہونا، ہر زندہ قوم کے ہاں ایک بدیہی اور ضروری امر تصور کیا جاتا ہے؛ مگر عموماً ماضی کو پڑھنے کے لیے انسان کو بعد میں لکھی ہوئی تحریروں سے ہی اپنا کام نکالنا پڑتا ہے، پھر جس قدر راوی کی ثقاہت، اس کی عدالت ہوتی ہے، اسی کے بقدر تاریخ کا فنی مرتبہ متعین ہوتا ہے، بسا اوقات ماضی کو پڑھنے کے لیے بعد میں لکھی ہوئی ایسی تحریروں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، جس میں زبان وبیان کے طبعی فرق کے ساتھ ساتھ صاحبِ قلم کی ترجیحات کا بھی پورا اثر ہوتا ہے، ایسی صورت میں ایک سنجیدہ قاری تاریخی روایات میں باہم مقابلہ کرنے اور تنقیدی نظر سے دیکھنے کا محتاج ہوتا ہے، جس کے لیے پچھلے دور کو دیکھی ہوئی شخصیات سب سے بڑا سہارا ہوا کرتی ہیں، وہ فنی سوالات کا جواب دیتی ہیں، اشکالات کو دور کرتی ہیں اور کھرے کھوٹے کا فرق بآسانی سمجھا دیتی ہیں۔

علمی، فنی اور تاریخی جہات کے علاوہ بھی ان طویل العمر شخصیات کی اہمیت، قدردانی اور مقام ومرتبہ شناسی کے کئی پہلو ہیں، اُمتِ مسلمہ کا تابناک، مثالی دور وہ ہے، جو گزر چکا ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اِنسانی تاریخ کا عظیم دورانیہ بھی وہی ہے، جس میں اِنسانیت کی عظیم شخصیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

☆شعبہ تخصص فی علوم الحدیث جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی

والسلام بالخصوص سید الانس والجان حضرت حبیبِ خدا رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم المرتبت شخصیت موجود تھی، کامیابی وکامرانی، انسانیت شناسی، معرفتِ خداوندی، رفع درجات، ترقی حقیقی کے لحاظ سے وہی دور انسانیت کا سب سے تابناک اور حسین دور تھا؛ اس لیے جو لوگ اس کے قریب ہیں، ان کی نسبتیں عالی سمجھی جاتی ہیں، وہ خیر و برکت کے سرچشمے، علوم ومعرفت کے خزانے ہوا کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند متحدہ ہندوستان کی پچھلی ڈیڑھ سوسالہ تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اگر یوں کہا جائے کہ اس خطے کی پچھلی ڈیڑھ سوسالہ تاریخ بلکہ اسلامی دنیا کی تاریخ کو، اس کے پیچ وخم کو، اس کے اہم واقعات، عوامل کو سمجھنے کے لیے جنوبی ایشیا کے اس عظیم ادارے اور اس سے وابستہ افراد وشخصیات کی تاریخ، ان کی زندگی، کارنامے اور خدمات کی طویل فہرست سے واقفیت ضروری ہے، تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا، بلاشبہ دارالعلوم دیوبند اپنے زبردست کردار، عظیم شخصیات کے ساتھ پچھلے ڈیڑھ سوسال سے مسلم دنیا پر واضح اثرات رکھتا رہا ہے، اسی درس گاہ کی تعلیم وتربیت اور کارناموں کی بدولت برصغیر کے مسلمان عجمی ہونے کے باوصف دنیا کے نئے منظرنامے پر ایک بڑے عامل کے طور پر اپنی شناخت رکھتے ہیں، راسخ العقیدہ مسلمانوں کی اِس عظیم جمعیت کا مستقبل جن خطوط پر استوار ہوگا اور اس کے لیے جو لوگ میدان عمل میں کام آئیں گے، ان کے لیے اپنی موجودہ حالت کو اس رخ پر لے جانا ہوگا، جس طرف کو دیوبند کی قدسی صفات شخصیات لے جانا چاہتی تھیں۔

آج کے مقتدایانِ قوم وملت کو اپنا رشتہ متحدہ ہندوستان کی ان شخصیات سے وابستہ کرنا ہوگا، جو اس عظیم جمعیت کے لیے پیشوا کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کی زندگی، کارکردگی، اثرات ونتائج میں ''تائید غیبی'' اور ''اجتباءِ خاص'' کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا ہوگا؛ کیونکہ دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ رجال کار کی تاریخ کا تعلق براہِ راست جنوبی ایشیا کے مسلمانوں سے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق وتائید سے اپنی علمی صلاحیت، عملی قوت، ایمان وغیرت کی دولت اور کثرتِ تعداد کی بدولت عرب وعجم کے مسلمانوں کو اپنے زیر اثر رکھے ہوئے ہیں، اور یوں پوری مسلم وغیر مسلم دنیا ان کے لیے محنت کا میدان بنی ہوئی ہے، اور برابر اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے ہر جگہ ان کی رسائی ہو چکی ہے، اور دنیا کی تمام قومیں ان سے ایمان واسلام کا درس لے چکی ہیں۔

نسبتِ دیوبند کا مقام واحترام:

دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ رجالِ کار کی اس تابناک تاریخ کی بنا پر آج بھی دیوبند اور دیوبندی تمام تر سازشوں، پروپیگنڈوں اور دھونس دھمکیوں کے باوجود مسلم دنیا میں عظمت واحترام اور غیرت وحمیت کا نام ہے، اور اس کے بالمقابل کفر ونفاق کی دنیا میں وہ اسلام اور مسلمانوں کے محافظ ہونے کی وجہ سے

حسد، کینہ اور عداوت کے سب سے بڑے مورد ہیں، جس کے اثرات کو ختم یا کم کرنے کے لیے وہ اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لائے ہوئی ہے۔

جو لوگ اس عظیم ادارے سے وابستہ رہے ہیں، جن کی جد وجہد، لگن، خون پسینے کا نام دیو بند ہے، خود ان کا وجود، ان کی زندگی بھی مسلم دنیا میں عظمت واحترام کی بڑی علامت ہے؛ یہی وجہ ہے کہ فضلاءِ دیو بند سے رشتہ تلمذ کو قابلِ فخر سمجھا جاتا ہے، ان کی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ان کے قول وفعل سے راہنمائی لی جاتی ہے، ان سے نسبت جوڑنے کے راستے تلاش کیے جاتے ہیں، آج بھی عرب وعجم میں جہاں جہاں لوگ اسلامی علوم وفنون سے وابستگی رکھتے ہیں، اور اس کے درس وتدریس، تصنیف وتالیف کا مشغلہ اپنائے ہوئے ہیں، وہ کسی نہ کسی طرح اپنی علمی نسبت فضلاءِ دیو بند واکابرِ دیو بند کی طرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں، متحدہ ہندوستان سے جو لوگ حجازِ مقدس یا دوسرے بلادِ عربیہ کا سفر اختیار کرتے ہیں، علم کے سچے طالب بڑے شوق ورغبت سے ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے امنڈ آتے ہیں اور ان سے اجازتِ حدیث وعلوم حاصل کر کے یوں فرحاں وشاداں ہونے لگتے ہیں، جیسے برسوں کی متاعِ گم گشتہ اُن کے ہاتھ لگی ہے۔

حاسدوں، دشمنوں نے طرح طرح کی ترکیبیں کیں، سازشوں کے جال بُنے، لوگوں کو بدگمان کرنے کی ہزار تدبیریں کیں، کسی نے ''مجھول التعریف'' بغاوت، دہشت گردی کا واویلا کیا، کسی نے ''حسام'' اور ''الدیو بندیہ'' کا راگ آلاپا، کسی نے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ عشق ومحبت کاٹنے کی ناکام کوشش کی، تو کسی نے ختمِ نبوت پر کامل یقین کی سزا دینا چاہا، کسی کو اہلِ بیت نبوت سے دور کرنے کی سوجھی، تو کسی کو حدیثِ نبوی سے الگ کرنے کی ترکیب مفید نظر آئی، کسی نے لوہے کی سلاخیں دکھا کر دھمکایا، تو کسی نے زر وزن کی ہتھکڑیاں ڈالنے کی کوشش کی، کوئی ان کو ترقی معکوس کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا رہا، تو کوئی حریتِ بدفکری وبدعملی کا مخالف ہونے پر نشانہ بنائے رہا، کوئی تقلید کا طعنہ دیتا رہا، تو کوئی غیرت وحمیتِ دینی کو فلسفہ عدمِ برداشت باور کراتا رہا، کفر ونفاق کی فوجوں نے، ان کے زر خرید غلاموں، چند ٹکوں میں بکنے والے سیاست دانوں اور ابی بی سی پل بھر میں بدلنے والے دانشوروں، سب نے اپنا اپنا حصہ ڈالا، زور آزمائی کی، اور برابر کرتے رہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کی تدبیر سب پر غالب رہی، اس نے شیطانوں کے تمام تر منصوبے، پروگرام خاک میں ملا دئے، سچ ہے: ؏ جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے

ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام اہم دینی اداروں اور مؤثر شخصیات کا ''علمی اور روحانی نسب نامہ'' دیو بند کی اسی عظیم درس گاہ سے جا ملتا ہے، علمیت وروحانیت کے لبالب چشموں کے سوتے

اسی خاکِ دیوبند میں ہیں، جہاں علم وعمل کے دریا بہتے ہیں، جس کے باغ وبہار کی مہک اقصائے عالم کو پہنچی ہے، جس کے بلند قامت درخت آسمانِ بلندی کو چھوتے ہیں، آفتابِ ختمِ نبوت کی ضیا پاشیوں سے جس کی آب یاری کی جاتی رہی ہے۔

آج ہم اس عظیم مرکز کی ڈیڑھ سوسالہ تاریخ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے یہ جرأت کر سکے ہیں؛ مگر یہ ظاہر بین نگاہوں کی باتیں ہیں، ۱۵رمحرم الحرام، ۱۲۸۳ھ، مطابق ۳۰رمئی ۱۸۶۶ء پنجشنبہ کو نہایت بے سروسامانی کے عالم میں ''چھتہ مسجد'' کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سایہ میں، جس ادارہ کی بنیاد رکھی جارہی تھی اور ایک استاد، ایک شاگرد سے جس کا رخِ فقیری کی عمارت بلند کی جارہی تھی، ابھی اس کو تیرہ سال ہی گزرے تھے کہ اس کی عظیم برکات اور فیوض کا سلسلہ اتنا عام ہوا کہ یکم صفر ۱۲۹۶ء ھ کو ایک مردِ بینا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے، جلسہ انعام کے موقع پر ارشاد فرمایا:

''خداوند کریم کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے، کہ تیرھواں سال اس مدرسہ کا جس کو ''دارالعلوم'' کہنا بجا ہے، بخیر وخوبی پورا ہوا، اس تھوڑے سے عرصے میں اسلام اور اہل اسلام کو بے شمار نفع پہنچا، بے اختیار اس کے حق میں یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

تم سلامت رہو، ہزار برس
اور ہر برس کے ہوں دن، پچاس ہزار''

(روداد ۱۲۹۵ھ ص:۱۶، و ۱۲۹۶ھ ص:۱۱، بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند، از سید محبوب رضوی، ص:۱۸۸، طبع اول)

اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ، تواضع وانکساری اور دور بین نگاہی کی حامل مردِ بینا کی یہ بات کس قدر واقعہ وحقیقت کے مطابق ہے، کہ ہم جیسے ظاہر بینوں کو بھی روزِ روشن کی طرح نظر آرہی ہے۔

وطنِ عزیز میں موجود قدیم فضلاءِ دیوبند:

نبوی علوم کے وارث، قدیم فضلاء دیوبند کی تعداد اب بہت کم ہوتی جارہی ہے، ماضی قریب میں بھی نہایت اہم شخصیات، قدیم فضلاءِ دیوبند ہم سے رخصت ہو چکے ہیں، رفتہ رفتہ ان کے وجودِ مسعود سے سرزمین خالی ہوتی جارہی ہے، تاہم اب بھی روشنی کے چند مینار ایستادہ ہیں، جن کی نورانی شعاعوں سے مسافرانِ منزل ظلمتوں میں راہ پاتے ہیں، جن کے دم قدم سے علم وعمل اور خیر وبرکت کی مجلسوں کی رونقیں بحال ہیں، ''حریتِ بدفکری'' اور ''حریتِ بدعملی'' کے لیے ''پرکشش نام ولیبل'' استعمال کرنے والوں کو مسلسل ناکامی کا سامنا ہے، فتنوں، آزمائشوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ''حق وثبات'' کے دیئے روشن کیے ہوئے ہیں، یاس وناامیدی کی گھڑیوں میں امید کی آخری کرن ہیں، تمام علوم وفنون، بالخصوص حدیث اور علومِ

حدیث میں سلفِ صالحین سے نسبتیں جوڑنے کا واسطہ و وسیلہ ہیں، اجازت کے مبارک، متوارث سلسلے کے حصول کے لیے مرجع ہیں، اور بے شمار خوبیوں کے ساتھ قوم، ملک و ملت کے لیے ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ، انعام اور برکت کا سبب ہے۔

ان میں سے چند حضرات تو وہ ہیں، جن کی شہرت چار دانگ عالم میں ہے، ایک بڑی دنیا ان سے وابستہ ہے، ان کے افادات و فیوض کا مبارک سلسلہ برابر جاری ہے، اور کچھ نام ایسے بھی ہیں، جو اپنی قدامت، عمر اور طبقہ کے اونچا ہونے کے باوصف شہرت و ناموری سے دور ہیں، میڈیا کے زیر اثر ماحول میں رہتے ہوئے بھی، گوشہ گمنامی میں رہتے ہیں، خال خال ہی ان کا ذکر ہوتا ہے، اور کسی کسی کا ان کی مجلس سے گزر ہوتا ہے، ان سے فیض پانے والوں کا کوئی تانتا نہیں بندھا ہوتا، اس میں ان کی طبیعت کی نزاکت، صحت وضعف کے اثرات، سہولیات کا فقدان اور شہرت کے رسمی مقامات سے دوری کو بھی دخل ہوتا ہے؛ مگر ان سب سے بڑھ کر ہم جیسوں کی نااہلی اور ناقدری بھی ایک معلوم سبب ہے، جس کی وجہ سے محرومی ہوتی ہے۔

روشنی کے ایستادہ مینار:

وطن عزیز میں قدیم بزمِ دیوبند و سہارنپور کی جو شمعیں اس وقت جلی ہوئی ہیں، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں:

۱- شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب لوہاروی دامت برکاتہم،
[بانی و مہتمم و شیخ الحدیث: جامعہ فاروقیہ کراچی......صدر: وفاق المدارس العربیہ پاکستان]

۲- حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم صاحب چشتی دامت برکاتہم
[مشرف: تخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی]

۳- حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم [محمدی شریف، جامعہ آباد، جھنگ روڈ، ضلع چنیوٹ]

۴- حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم [مانچسٹر]

۵- حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب اشرفی دامت برکاتہم [مہتمم و استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور]

۶- حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب دامت برکاتہم [کشروٹ، گلگت]

۷- حضرت مولانا حکیم عبد الرشید خان صاحب لوہاروی دامت برکاتہم [نیو کراچی، کراچی]

۸- حضرت مولانا محمد جمشید علی صاحب دامت برکاتہم [شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ، رائے ونڈ]

۹- حضرت مولانا قاضی عبد الکریم صاحب دامت برکاتہم [کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان]

۱۰- حضرت مولانا محمد احسان الحق صاحب دامت برکاتہم [نائب شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ، رائے ونڈ]

۱۱- حضرت مولانا احمد اقبال صاحب دامت برکاتہم [جامشورو، حیدر آباد، سندھ]

۱۲- حضرت مولانا مجاہد خان الحسینی صاحب دامت برکاتہم [نوشہرہ کلاں، ضلع نوشہرہ، خیبر پختونخوا]

۱۳-حضرت مولانا اللہ بخش صاحب دامت برکاتہم [کوٹ قیصرانی، تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازیخان]

۱۴-حضرت مولانا حاجی غلام حیدر صاحب دامت برکاتہم [چھوٹا لاہور، ضلع صوابی، خیبر پختونخوا]

۱۵-حضرت مولانا حمد اللہ جان صاحب دامت برکاتہم [ڈاگی، ضلع صوابی]

۱۶-حضرت مولانا محمد اسلم صاحب دامت برکاتہم [چھوٹا لاہور، ضلع صوابی]

۱۷-حضرت مولانا قاری محمد آصف صاحب قاسمی دامت برکاتہم [جامع مسجد فاروقِ اعظم، ناظم آباد، کراچی (کنیڈا]

۱۸-حضرت مولانا غریب اللہ صاحب دامت برکاتہم [مانکی، جہانگیرہ، ضلع صوابی]

۱۹-حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم [پراچہ ٹاؤن، کوہاٹ]

۲۰-حضرت مولانا حضرت علی صاحب دامت برکاتہم [سوکڑی کریم خان، بنوں، خیبر پختونخوا]

۲۱-حضرت مولانا مطلع الانوار صاحب دامت برکاتہم [شیر پاؤ، پشاور، خیبر پختونخوا]

ان حضرات کے تفصیلی حالات جمع ہونے تک یہ موضوع تشنۂ تکمیل ہے، ضرورت ہے کہ ان عظیم شخصیات سے استفادہ کیا جائے، ان کے اعذار، مصروفیات کا پورا پورا خیال کرکے، ان کی خدمت میں بصد ادب واحترام حاضری دی جائے اوران کی چاہت، طبیعت کے مطابق خدمت کرکے دعائیں لی جائیں.

بزرگانِ دیوبند کا فہم وبصیرت:

یہ حضرات ہمارے نجی، اجتماعی، تعلیمی، تربیتی، ملکی، بین الاقوامی مسائل، مشکلات اور نئے چیلنجز کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں، ان کی باتوں میں، ان کے طرز وانداز میں سادگی، بے تکلفی و بے ساختگی کا فرق نمایاں ہوگا، یہ اونچے لوگوں کی شان ہوا کرتی ہے، اصحابِ بصیرت جانتے ہیں کہ ان کی سادہ گفتگو، تجاویز اور مشوروں میں کیا کیا برکتیں، حقائق پوشیدہ ہیں، جس کو ظاہر بین نگاہیں نہیں پاسکتیں۔

برکت کے ان سرچشموں سے فیض پانا، ان کی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھنا، ان کی تجاویز کو تائید ِ غیبی کا حصہ سمجھنا، ان کے وجود کو برکت ورحمت کا باعث گردا ننا، اُمتِ مسلمہ کی تعلیم وتربیت کا لازمی حصہ ہے، جس پر طبقہ در طبقہ عمل ہوتا چلا آیا ہے، اور اسی کی وجہ سے ہمیشہ امت گرداب سے نکلی ہے، مصیبتوں اور آزمائشوں میں گر کر بھی اپنی جداگانہ شناخت، شان وشوکت اور آن بان کو نہ کھوسکی۔

بزرگانِ دیوبند سے ادنیٰ نسبت رکھنے والا بھی علو اسناد، بڑے مشائخ سے نسبت اور اس کے نتیجہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کی عظیم سعادت کو نظر انداز نہیں کرسکتا، اس قرب کے حصول کی طلب میں بھی دوسروں کی عظمتِ شان اور علوِ درجات کا اقرار پوشیدہ ہے، جو حقیقی رفعتِ شان رکھنے والے متواضع لوگوں کی خصلت ہے، نسبتوں کا احترام، اس کی قدر بجائے خود ایک بڑی سعادت اور ہمیشہ خوش نصیب لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔

مغرب زدہ یا خود پسندی کے شکار لوگ اس کو ''قدامت پسندی'' اور ''شخصیت پرستی'' سے تعبیر کرتے ہیں، وہ ان زمانہ ساز لوگوں کو راہ کی سب سی بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں؛ کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے خود ان کو ترقی نہیں ملتی، لوگ ان کی باتوں پر کان نہیں دھرتے، ان کی دانشوری سے استفادہ کرنے پر راضی نہیں ہوتے۔

وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو ان کی ملمع سازیوں اور خود پسندیوں کے لیے میدان خالی مہیا ہو، پھر جس طرح چاہیں، مذہب کی ترویج، ضرورتِ زمانہ، تعمیر و ترقی، درپیش چیلنجز، اتحادِ امت، وقت کی پکار، پالیسی، مفاہمت، عالمی برادری، حالات کی نزاکت، انسان دوستی، خدمتِ خلق، سرکاری مراعات، عہدوں کی تلاش، مفادات، وسیع تر تناظر اور بیسیوں نام وعنوانوں سے لوگوں کا شکار کرسکیں، مسلک و مذہب کا تیا پانچہ کرسکیں، تصلب وپختگی کی مسلکی شناخت کا سودا کرکے مغرب سے داد ودہش پاسکیں، اور دوسروں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اپنے تئیں ترجمانِ اسلام، سفیرِ اسلام، خادمِ دین، لیڈر، ممتاز مذہبی اسکالر، محقق، دانشور، خادمِ قوم وملت، رہبر و راہنما اور امت کے پُشتی بان بن سکیں!

بدیہی بات ہے جب کہ بڑی شخصیات اور ان کی علمیت وروحانیت نگاہ میں نہیں ہوتی، تو بے وقت مشیخت وفضیلت کے خواب دیکھے جاتے ہیں، جس کا اثر یہ ہے کہ ہم جیسے کمزور لوگوں کو دیکھ کر اب معمولی منشی درجہ کے لوگ بھی اسلامی جماعتیں بناتے ہیں، تحریکوں، انجمنوں کے سربراہ بنتے ہیں، درسِ قرآن، درسِ حدیث کی اپنے تئیں مجلسیں سجاتے ہیں، مختلف فیہ مسائل میں رائے دیتے ہیں، عربی بول چال سیکھنے سکھانے والے مفسرِ قرآن، اردو تراجم پر گزارہ کرنے والے محدث، ڈاکٹر اور فقہ سے نابلد مذہبِ خامس کا نام وعنوان استعمال کرتے نظر آتے ہیں؛ بلکہ منجھے ہوئے اہل علم وفن، مسلمہ اربابِ تقوی وبصیرت کو بھی اپنی راہ چلنے کے مشورے دیتے ہیں، ان کی شکایتیں کرتے ہیں۔

شخصیات وتاریخِ دیوبند پر مزید کام کرنے کی ضرورت:

قدیم فضلاء دیوبند کی یہ فہرست ابھی ناتمام ہے، جو حضرات اس حوالے سے مزید شخصیات کے بارے میں جانتے ہیں، یا کسی نام کے بارے میں اشکال رکھتے ہیں، کسی کے تفصیلی حالات معلوم ہیں، وہ اس سلسلہ کی تکمیل کرسکتے ہیں، اس میں مزید اضافہ کرسکتے ہیں، جس سے طالبانِ علم، مؤرخین اور سوانح نگار سب کو فائدہ ہوگا۔

ہر شخصیت کے حوالے سے دوسری تفصیلات جاننے سے پہلے یہ چند بنیادی سوانحی معلومات فراہم ہونا ضروری ہے:۔

[۱] صحیح نام ونسب، عرف۔ [۲] سن ولادت، مہینہ (ہجری، عیسوی)۔ [۳] وطن، ابتدائی تعلیم وتربیت۔

[۴] دارالعلوم یا مظاہرِ علوم سے وابستگی، تاریخ (ہجری، عیسوی)۔ [۵] مدتِ تعلیم اور سنِ فراغت، (ہجری، عیسوی)۔ [۶] اساتذہ ومشائخ بالخصوص دارالعلوم یا مظاہرِ علوم کے زمانہ تعلیم میں۔ [۷] بعد از فراغت اہم مصروفیات، مشاغل۔ [۸] جائے سکونت، طریقہ کار برائے افادہ واستفادہ۔

استاذِ محترم حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم (فاضل دیوبند) کی رائے ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ، طبقاتِ رجال، انواعِ خدمات، اثرات اور عظیم کارناموں کے حوالے سے سندی اور فنی کام کرنے کی ضرورت ابھی پوری نہیں ہوئی ہے، اس حوالے سے کئی طرح کے خطے اور خاکے تیار کیے جاسکتے ہیں، جو فنی، تاریخی ضرورتوں کے پیشِ نظر اہم عنوانات پر مشتمل ہوں، ان کی رعایت رکھتے ہوئے صاحبِ ذوق، معاصر علمی اسلوب اور تحقیقی کاموں سے عملی واقفیت رکھنے والے اربابِ قلم بہتر شکل میں کام کرسکتے ہیں، جو حضرات موجود ہیں، ان کی معلومات کو تحریری شکل میں محفوظ کیا جائے، اور جو تحریریں افراد، اداروں کے پاس جہاں جہاں، جس جس شکل میں موجود ہیں، ان کو سامنے رکھا جائے، پھر اس میں عقیدت واحترام کے اظہار سے پہلے فنی اور سوانحی ضروریات، تاریخی حوالوں پر نگاہ مرکوز کی جائے، جس طرح اسماء الرجال اور طبقات کی کتابوں میں ہوتا رہا ہے۔ اس عظیم کام کے لیے پہلے مصادر اور مراجع کی تعیین کرنی ہوگی، اور ہر مصدر ومرجع کی فنی، تاریخی حیثیت پر گفتگو ہوگی، اسی طرح یہ مصادر ومراجع، جو تحریرات اور شخصیات کی صورت میں موجود ہیں، ان کے اماکن، دستیابی کی یقینی اور ممکنہ جگہوں، شخصیات کے نام و پتے، طریقہ استفادہ وغیرہ کو بتایا جائے گا، متعلقہ افراد کو وسعت ظرفی اور عالی ہمتی کا مظاہرہ کرنا ہوگا، تبادلہ معلومات کی نئی نئی شکلوں کو اختیار کرنا ہوگا، جس کے نتیجہ میں دیوبند کا تذکرہ اور تاریخ مرتب ہوسکے گی، جس کی سندی، فنی اہمیت ہوگی، یہ خطے اور خاکے، مصادر ومراجع کا تعارف، طبقاتی تاریخ، معلوماتی فہرستیں اور تذکرے عربی، اردو اور انگریزی تینوں زبانوں میں تیار کرنے کی چیزیں ہیں، اس کی ضرورت سب کو ہے اور ہر جگہ ہے۔

دو ہم عصروں کی ایک صدی:

تاریخ حیرتوں اور عجائبات کا سمندر اپنے اندر رکھتی ہے، معاصر عظیم شخصیاتِ دارالعلوم دیوبند میں ایک ایسی جوڑی بھی تھی، جس کی رفاقت وہم عصری ایک صدی پر محیط ہے، جو نہ صرف ایک ہی سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ایک ہی درس گاہ میں برابر پڑھتے رہے، آپس میں خوب دوستی، تعلق رہا، ایک ہی سال ان کی فراغت ہوئی؛ بلکہ ان کی پیدائش کا سال بھی ایک ہی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر دونوں ساتھیوں کو ایک صدی پر محیط طویل عمر بھی نصیب ہوئی، یہ جوڑی دارالعلوم دیوبند اور اکابرِ دارالعلوم دیوبند کے حالات، واقعات، روز وشب، نشیب وفراز کی شاہد اور چلتی پھرتی تاریخ تھی۔

ان دونوں میں سے ایک سے تو دنیا واقف ہے، ان کے جاننے والے بہت ہیں، لوگ ان کو حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی سے یاد کرتے ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے منصبِ جلیل پر فائز تھے اور حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد ''امیر الہند'' قرار دیے گئے تھے، آج سے قریباً چار سال قبل ان کا یکم محرم الحرام، ۱۴۳۲ھ، مطابق ۸، دسمبر ۲۰۱۰ء، بدھ کے روز اپنے وطن بجنور میں انتقال ہوا، جمعرات کی شب دارالعلوم میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور قبرستانِ قاسمی میں اکابر دیوبند کے پاس آسودہ خاک ہوئے۔

دوسری شخصیت جن کا حال ہی میں مؤرخہ ۶/رجون ۲۰۱۴ء بروز جمعہ کو انتقال ہوا اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم نے جمعہ ہی کو بعد مغرب جامعہ بنوری ٹاؤن میں ان کا جنازہ پڑھایا، ان کے جاننے والے بھی بہت تھے، ان کے قدر دان بھی بڑے لوگ تھے، مگر ان سے واقف لوگ اب کم ہی رہ گئے ہیں، کبھی تو ان پر شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شفقتیں ہوتی تھیں، حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارتیں، حضرت محدث دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الادب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بلیاوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوالمحاسن سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا آزاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میرٹھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور اس عہد کے دوسرے بزرگوں کی صحبتیں، مجلسیں اور عنائتیں ہوا کرتی تھیں اور حضرت سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالحق انفع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالحق نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت پھول پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقتیں ہوتی تھیں، اس دور کے دوسرے بزرگوں، مشائخ کی نیاز و محبت پانے کی شکلیں ہوتی تھیں، مگر گئے وقتوں کے ساتھ ان کی باتیں بھی جاتی رہیں، صرف یادیں باقی رہ گئیں۔

حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم، حضرت اقدس صدر وفاق مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم اور ان کے متعلقین اپنے بزرگوں کی نسبتوں کے احترام میں ان کے پرسانِ حال رہتے تھے، زیارت و ملاقات کرتے تھے یہ ان کا ظرف ہے اور اپنے بزرگوں کی نسبتوں کے احترام اور قدردانی کی عملی تعلیم جو وہ اپنے متعلقین کو دینا چاہ رہے ہیں۔

''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں مہتمم دارالعلوم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس شاگرد کا ''اسماءِ گرامی حضرات مدرسین درجہ فارسی'' کی فہرست میں اٹھارویں

نمبر پر یوں ذکر کیا ہے، ''مولانا اصلح الحسینی مدظلہ، گلاؤ ٹھی، ابتدائی سن ۱۳۶۲ھ تا آخری سن ۱۳۶۷ھ'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند، از حضرت حکیم الاسلام مہتمم دارالعلوم، ص:۱۱۶، طبع: دار الاشاعت، کراچی، ستمبر ۱۹۷۲ء/) اس فہرست میں حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی، رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا خلیفہ منشی عاقل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی بھی موجود ہیں۔

حالات وواقعات:

دورۂ حدیث میں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مہاجر مدنی بن حضرت لاہوری، حضرت مولانا محمد ایوب جان صاحب بنوری، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب اور حضرت اقدس مولانا عبدالحنان صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ ان کے ہم درس رہے، جو بجائے خود عظیم شخصیات ہیں، ان کی اپنی ایک تاریخ ہے، کیا عجیب پرنور ماحول ہوتا ہوگا، جب اس طرح کی عظیم شخصیات شاگردوں کی نشستوں پر بیٹھے زانوئے تلمذ تہ کرتی ہوں گی، تو مسند ِ درس پر بیٹھنے والے اساتذہ کا مقام کیا ہوگا! ہے کوئی درس گاہ روئے زمین پر جو پچھلے ڈیڑھ سوسال میں اس طرح کی تابناک تاریخ رکھتی ہو؟

حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی صاحب رحمہ اللہ بائیس برس کی عمر میں نواب حمید اللہ خان کے زمانہ میں ریاست بھوپال میں شرعی عدالت علیا کی مجلس علماء کے لیے منتخب ہوئے تھے، اس عالی منصب کے لیے مطلقاً انتخاب بھی بڑے فخر کی بات ہوا کرتی تھی، بڑے بڑے اہلِ علم ہی اس منصب کے لیے اہل قرار دئے جاتے تھے؛ چہ جائیکہ بائیس سال کی عمر میں اس کے لیے منتخب ہوجانا!؛ مگر بدخواہوں کی بات چل گئی، تو اس پر رنجیدہ خاطر ہوئے، حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کو خبر دی، حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جواب میں جو خط لکھا، اس میں جس شفقت آمیز لہجہ میں ان کو صبر کی تلقین کی، وہ خط ان کی زندگی کی قیمتی متاع ہے، اس میں ''عزیزم'' کا محبت بھرا خطاب بھی ہے، جو ان کے بقول بہت کم کسی کے نصیب میں ہے۔ موصوف دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۶۲ھ سے لے کر ۱۳۶۷ھ تک درجہ فارسی کے مدرس رہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی عرصہ میں مدرسِ عربی مقرر ہوئے تھے، جن کے پاس دورۂ حدیث تک کے اسباق تھے، فہرستِ مذکور کی کئی نامور شخصیات بھی ان کے تلامذہ میں شامل ہیں، ''مدرس درجہ فارسی'' اور ''مدرس عربی'' دارالعلوم کی اپنی خاص اصطلاحات ہیں، درجہ فارسی میں مثنوی، سکندر نامہ وغیرہ پڑھاتے رہے، کئی شخصیات ان کے شاگردوں کی فہرست میں آتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے جو تعلقِ خاطر تھا، اس قربت کے پیشِ نظر کبھی جدائی کا خیال نہیں آسکتا تھا، حضرت کی خدمت میں رہتے، حضرت ہی نے شادی کرائی، تقریب میں شریک

رہے؛ بلکہ اخراجات تک کا بندوبست کیا، لیکن بعض اضطراری حالات کی بناپر اس جدائی کو برداشت کرنا پڑا، تقسیمِ ہند کے بعد پہلے اپنے چھوٹے بھائی مفتی اکمل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے کر ہمشیرہ صاحبہ کو پاکستان چھوڑنے آئے، اس کے بعد واپس چلے گئے، پھر ان کی بیماری کی خبر آئی، چونکہ بچپن میں والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا، ہمشیرہ سے تعلق ماں جیسا تھا؛ اس لیے ان کے پاس آ گئے، اس وقت تک بغیر پرمٹ آمدورفت ہوا کرتی تھی، دوبارہ پاکستان آنے کے بعد پرمٹ کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ''انفع'' رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح موصوف کے لیے بھی دوبارہ بآسانی جانے کے راستے تقریباً مسدود ہو گئے؛ اس کی وجہ سے چاروناچار دیوبند اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی حسرتیں دل ہی دل میں رکھ کر یہیں کے ہو رہے، ان دنوں نقلِ مکانی کے دوران دونوں طرف نہایت خون خرابہ ہوا تھا، حضرت سے خاص تعلقِ خاطر، ان کی شفقت الگ سے تھی، اپنی خاص مجلسوں میں نہایت درد بھرے لہجے میں ان کے لیے دعا کی۔ نقلِ مکانی کے بعد ذوق ومزاج کے برخلاف نئے ماحول کی زندگی میں کئی نشیب وفراز آئے، اپنوں اور پرایوں کو دیکھا پرکھا، شغل ومصروفیت کے کئی سلسلوں سے وابستگی کا خیال باندھا، دارالتصنیف حب ریور روڈ سے منسلک رہے، محدث العصر حضرت علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بینات میں کام کرنے کو کہا، بعض جگہ درسِ حدیث کی بھی بات چلی؛ مگر بوجوہ ایسا نہ ہوسکا، علمی مصروفیت کا کوئی ایک جلی عنوان قائم نہ ہوسکا، ویسے بھی ہم لوگوں کا مزاج یہ ہے کہ استفادہ کے لیے تو مسندوں کو تلاش کرتے ہیں، مگر مسندوں کے لیے شخصیات کو ڈھونڈ نکالنا، گویا کسی ابھری ہوئی شخصیت سے اغماض برتنا خیال کرتے ہیں، خود دارالعلوم دیوبند میں چوٹی کے اساتذہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کا انتخاب رسمی تکمیل کے کئی سال بعد ہوا تھا اور اصحابِ مسند مشائخ نے ہی بلا کر کیا تھا۔

صحافت حضرت کا خاص موضوع رہا تھا، کلکتہ میں مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں ''البلاغ'' میں کام کرتے رہے، ان کی غیرتِ ایمانی اور جذبہ جہاد کا ذکر فرماتے تھے، مولانا آزاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صحبتیں رہیں، ان کا انٹرویو لیا تھا، الجمعیۃ دہلی میں بھی لکھتے رہے، جمعیت علماء ہند سے تعلق تھا، تحریکِ آزادی میں حصہ لیا، جیل بھی جانا پڑا، لیگ وکانگریس کے داخلی معاملات سے بھی خوب واقفیت رہی، بایں ہمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم حضرات کی صحبتوں سے بھی فیضیاب ہوئے، دوسری طرف کے بزرگوں میں تو گویا وہ جی رہے تھے اور انہی کا ذوق ومزاج پایا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی مسلک کے حوالے سے ان کی معلومات سند کا درجہ رکھتی تھیں، وہ ایک مکمل ڈائری تھے، سفر وحضر کے اتنے

قریب سے دیکھے، سنے ہوئے واقعات، حالات کے بارے میں بالخصوص حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور جمعیت علماء ہند کے دیگر اکابر واصاغر کے ذوق ومزاج، طرز وطریقہ کار کو سمجھنے والے کم از کم پاکستان میں باستثناء حضرت مولانا مجاہد خان صاحب الحسینی دامت برکاتہم شاید اب کوئی نہ ہو، ماضی میں دار العلوم دیوبند بالخصوص حضرت شیخ الاسلام اور جمعیت علماء ہند کے دوسرے اکابر کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، یا حال میں ڈائریاں مرتب ہوئی ہیں، ان کے بارے میں اِن ''قدماء'' کے مختصر جملے محتاط آراء نہایت بالغ نظری کا نمونہ ہوتی ہیں، جن میں اختصار واجمال کے باوجود تاریخی جرح وتعدیل کا مزاج رکھنے والے محققین کے لیے نہایت اہمیت کے حامل اشارے ہوا کرتے ہیں، کئی باتوں کی کڑیاں مل جاتی ہیں، لکھنے والوں کے قد کاٹھ کا اندازہ ہوجاتا ہے اور واقعات وحالات کے نئے نئے گوشے سامنے آجاتے ہیں۔

امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب بن حضرت مولانا حکیم مشیت اللہ صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ بجنوری، مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی بن حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمہما اللہ تعالیٰ، امیر شریعت بہار اور حضرت مولانا سید محمد اصلح صاحب الحسینی رحمہ اللہ تینوں حضرات کا سن ولادت (۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۳ء/) ایک ہونے کے علاوہ فراغت کی تاریخ (۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۲ء/) بھی ایک ہے، چند مہینوں کے فرق کے ساتھ مؤخر الذکر بڑے بھی تھے اور طویل العمر بھی ان بزرگوں میں خوب محبت، تعلق کا رشتہ قائم رہا، خود فرماتے تھے: ''مولانا مرغوب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی نوک جھونک ہوتی تو میں کہتا: میں تم سے عمر میں بڑا ہوں؛ کیونکہ میری پیدائش محرم میں ہوئی ہے تمہاری بعد میں، امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کا انتقال ۳، رمضان ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹، مارچ ۱۹۹۱/ کو ہوا، ان دو حضرات کی جوڑی باقی رہی، حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات یکم محرم الحرام، بدھ کے روز ہوئی، منگل کے روز ۷/ دسمبر کو ان کے صاحبزادے مولانا محبوب الرحمان صاحب سے فون پر بات ہوئی، موصوف اس وقت اپنے وطن بجنور میں والدِ گرامی قدر کی خدمت میں حاضر تھے، دونوں ساتھیوں نے ایک دوسرے کی خیر خیریت دریافت کی اور دعاؤں کے لیے ملتجی ہوئے، یہ گفتگو آخری ثابت ہوئی۔

حضرت والا مولانا سید محمد اصلح صاحب الحسینی رحمہ اللہ گلشن اقبال ۱۳ ارڈی، کراچی میں برخوردار محترم جناب سید طہ صاحب کے ساتھ رہائش پذیر تھے، تفصیلی حالات ہنوز مرتب ہونا باقی ہیں، یہ سب معلومات جمع ہونے کے بعد تنقیح وترتیب دے کر سوانحی خاکہ تیار کیا جاسکتا ہے، جس کے لیے قارئین سے معلومات بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ دعاؤں کی بھی درخواست ہے کہ اس کی توفیق کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا، اللہ کرے کہ ہمیں ان بزرگوں کی برکات، علوم ومعارف سے بیش از بیش مستفید ہونے کی توفیق عنایت ہو۔

☆......☆......☆......☆

مولانا قاری تنویر احمد شریفی

یادگارِ اکابر

۷/شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ مطابق ۶/جون ۲۰۱۴ء بروز جمعہ عصر سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے دار العلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور سابق مدرس، جمعیت علمائے ہند کے کارکن، روزنامہ ''الجمعیۃ'' دہلی کے سابق ایڈیٹر، ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے ابتدائی دور کے معاون مدیر، ادیب اور کہنہ مشق صحافی، شیخ المشائخ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی کا وصال ہوگیا، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

عصر سے پہلے مجھے ان کے انتقال کی خبر آ گئی تھی۔ عصر کی نماز کے فوراً بعد جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا رُخ کیا، بحمد اللہ مغرب سے کچھ دیر پہلے جامعہ پہنچ گیا۔ حضرتؒ کا جسد خاکی جامعہ کے مغربی دروازے سے لایا گیا اور جنازہ گاہ میں رکھ دیا گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف غزنوی مدظلہم (سابق استاذ دار العلوم دیوبند، استاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن) نے پانچ منٹ کا خطاب فرمایا، اس کے بعد حضرتؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی دامت برکاتہم نے جنازہ پڑھایا۔ جنازے کے بعد حضرتؒ کا آخری دیدار کرایا گیا۔ عشا کے وقت کراچی کے علاقے گلستان جوہر کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خوب خوب اپنی رحمتوں کی ان کی قبر پر بارش فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے، آمین!

آخری دیدار کے وقت ذہن کی یادداشت نے ''بیتے ہوئے دن'' سامنے کر دیئے۔ راقم الحروف نے بچپن سے جن بزرگوں کو وقتاً فوقتاً دیکھا اور ان کا نام سنا، ان میں سے ایک حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی قدس اللہ سرہٗ تھے۔ میرے مرشد اول فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ جب کراچی تشریف لاتے تو حضرت مولاناؒ ان کے ساتھ ساتھ رہتے۔ ہمارے مدرسہ تعلیم القرآن شریفیہ جامع مسجد سٹی اسٹیشن اور گھر پر بارہا آپ کی زیارت حضرت فدائے ملتؒ کے ساتھ ہو جاتی تھی۔ حضرت فدائے ملتؒ کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد جب بھی میرے مرشد ثانی حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم کراچی تشریف لاتے، اس موقع پر بھی حضرت مولاناؒ ساتھ ساتھ ہوتے۔

۱- ہمارے مدرسہ تعلیم القرآن شریفیہ کے حفاظ کی تنظیم "تنظیم القراء والحفاظ" کی ماہانہ نشست میں مرشدی حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہم نے خطاب فرمایا تھا، یہ خطاب سٹی اسٹیشن کی مسجد میں ہوا تھا، اس موقع پر میرے جد امجد حضرت مولانا قاری شریف احمد نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت مولاناؒ سے درخواست کی تھی کہ حضرت مدظلہم کے بیان سے پہلے تعارفی کلمات جناب ارشاد فرمائیں۔ حضرت مولاناؒ نے

یہ ذمے داری بہ خوبی نبھائی۔ اس تعارفی بیان میں آپ نے اپنے استاذ وشیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ کا واقعہ ارشاد فرمایا تھا کہ غالباً مرادآباد میں ایک جگہ جلسہ تھا، جس میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے بیان فرمایا تھا، تعارف کرانے والے نے کچھ اس طرح تعارف کرایا کہ اب میں جس ہستی کو دعوت خطاب دیتا ہوں، یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے اس دنیا میں بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کھڑے ہوئے، ارشاد فرمایا کہ انہیں یہ کہنے کا بالکل حق نہیں ہے، اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے جتنی تکالیف برداشت فرمائیں، اتنی تکالیف کسی کو نہیں آئیں۔

۲- استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں قدس اللہ سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبد الغنیؒ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے ''مرتبۂ تصوف'' پر ایک کتاب مرتب فرمائی تھی اور اس کا مسودہ حضرت قاری صاحبؒ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ آپ اُسے حضرت مولاناؒ کو دکھا کر کچھ لکھوا لیجئے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے مجھے حکم دیا کہ حضرت مولاناؒ سے رابطہ کروں اور ملاقات کا وقت طے کروں۔ میں نے حضرت مولاناؒ کو فون کیا تو معلوم ہوا کہ مولانا کبھی اپنی صاحبزادی کے ہاں گلشن اقبال میں ہوتے ہیں اور کسی وقت اپنے مکان واقع جہانگیر روڈ تشریف لے آتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ نے مجھے تاریخ اور دن بتادیا کہ اس دن میں فلاں وقت آجا۔ میں حاضر ہوا، حضرت مولاناؒ نے بزرگانہ شفقت فرمائی، میں نے مسودہ پیش کیا تو بہت دیر تک اسے دیکھتے رہے، پھر ارشاد فرمایا کہ میں اسے پڑھ کر مقدمہ لکھوں گا۔ اس سلسلے میں شاید ایک مرتبہ اور حضرت مولاناؒ کی خدمت میں حاضری دی، لیکن بعد میں وہ مقدمہ لکھا گیا یا نہیں؟ اس کا مجھے علم نہیں، یہ کوئی بیس سال پہلے کی بات ہے۔

۳- استاذ محترم ڈاکٹر ابوسلمان صاحب شاہ جہاں پوری مدظلہم (جنرل سیکرٹری مجلس یادگار شیخ الاسلام، پاکستان، کراچی) نے فروری ۲۰۰۹ء میں فرمایا کہ حضرت مولانا سے وقت لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا دل چاہتا ہے۔ میں نے ۱۰ر فروری کو فون کیا تو آپ نے فرمایا: جب چاہو آجاؤ، لیکن آنے سے ایک گھنٹہ پہلے فون کر لینا، چنانچہ ۱۱ر فروری بدھ کے دن عصر سے پہلے فون کر کے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے کچھ سوالات کیے، حضرت مولاناؒ نے ان کے جوابات ارشاد فرمائے۔ عصر کی اذان ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں اپنے ضعف کی وجہ سے پنج وقتہ نمازوں میں مسجد نہیں جاسکتا، گھر پر ہی نماز پڑھ لیتا ہوں، کبھی کوئی آجاتا ہے تو گھر میں جماعت نصیب ہو جاتی ہے، آج تم آگئے، تم نماز پڑھاؤ، تاکہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکوں۔ ضعف کی یہ حالت تھی کہ جب ہم مہمان خانے میں بیٹھے تھے اور حضرت مولاناؒ اپنے کمرے سے تشریف لائے تو دونوں ہاتھوں سے دیوار پکڑ کر مہمان خانے میں آئے تھے، لیکن واہ رے قدرت! نماز کھڑے ہو کر پڑھی، یہ ہمارے بزرگوں سے ایک روایت چلی آرہی ہے۔ اولیاء اللہ کے اس قسم کے واقعات کتابوں میں کثرت سے لکھے ہوئے ہیں۔

حضرت مولاناؒ سے اس مجلس میں جو سنا، وہ یہ ہے: جمعیت علمائے اسلام کی تاسیس پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا خطبۂ صدارت ''عصر جدید'' میں چھپا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے جب اسے پڑھا تو مجھے بھی پڑھنے کے لیے دیا، میں نے اسے پڑھ کر حقارت سے رکھ دیا اور عرض کیا: عقل سلب ہوگئی، اندھے ہوگئے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو غصہ آ گیا، مجھ سے ناراض ہوگئے، سفر کی حالت میں تھے، جب شام ہوگئی تو پھر مجھ سے بات کی اور ارشاد فرمایا: مولانا عثمانی جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ پوری دیانت کے ساتھ اسے انجام دے رہے ہیں، جو بات انہوں نے فرمائی اُسے وہ بہتر سمجھتے ہیں، ہمیں ان کی بات میں شرح صدر نہیں، اس لیے ہم ان سے اتفاق نہیں کرتے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی شان میں بے ادبی کی جائے۔ یہ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ کا ظرف تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں اکابر کے درجات بلند فرمائے، آمین!

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے متعلق فرمایا کہ میں نے سترہ حج کیے ہیں، ہر حج میں تمام اولیاء اللہ کا اجتماع حضور اقدس ﷺ کی سربراہی میں ہوتا ہے، ان اجتماعات میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے زیادہ بڑا ولی میں نے کسی کو نہیں پایا۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت شیخ الاسلامؒ سے بیعت ہونے گئے تھے، یہ میرے سامنے کی بات ہے کہ اس موقع پر اس حدیث پر بحث کی جس میں داڑھی ایک مٹھی ہونے کا ذکر ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے سید صاحبؒ کو فرمایا کہ آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس جائیے اور ان سے بیعت کی درخواست کیجئے۔

۴- یکم مارچ ۲۰۰۹ء اتوار کی صبح دس بجے حضرت مولانا مرحوم سے فون پر اجازت لے کر ان کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، حضرتؒ نے اپنے حالات قلم بند کرائے۔ آپؒ کے آباء واجداد مغلوں کے دور حکومت سے اونچے مراتب پر تھے۔ شیر شاہ سوری کے زمانۂ حکومت میں دہلی کے قرب وجوار میں آباد ہوئے، انہیں ایک جاگیر بھی ملی، جو ''گلاوٹھی'' کا علاقہ تھا، یہی حضرت مولانا کا وطن تھا۔ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۱۳ء بروز جمعرات، گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ ننھیال نے ''محمد اصلح'' اور منجھلے دادا نے ''آل حسن'' نام رکھا۔ قمری تقویم کے لحاظ سے تاریخی نام ''منظر الاعلیٰ'' اور شمسی تقویم سے ''افضل الفاضلین'' نکلتا ہے۔

آپ کے والد کا نام نامی محمد صالح تھا، آپ کے دادا مولانا سید محمد حسن صاحبؒ حضرت مولانا محمد حسین مراد آبادیؒ کے خلیفہ تھے، جب کہ آپ کے والد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔ حضرت مولانا مرحوم نے ابتدائی تعلیم سے موقوف علیہ تک ''مدرسہ منبع العلوم'' گلاوٹھی (جو دار العلوم دیوبند سے تقریباً دو سال پہلے قائم ہوا تھا) میں ۱۹۲۷ء تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد تین سال مختلف علوم کی تعلیم مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں حاصل کی۔ اس کے بعد دورۂ حدیث شریف کے لیے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور اپنے وقت کے ''جبال علم'' سے حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ دیوبند اور دہلی میں رہے۔ ۱۹۳۵ء میں مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی سے ''مولوی فاضل'' کیا۔اس کے بعد آپ بھوپال میں ''علما کونسل'' کے رکن بنادیئے گئے۔ کچھ عرصہ بھوپال میں قیام کے بعد آپ بہاولپور چلے گئے اور ''ادیب فاضل'' کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۷ء میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کی ترغیب سے دہلی میں قیام کا فیصلہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم میں تاثیر رکھی تھی اور اہل علم بھی آپ کی تحریرات کے قدرداں تھے۔آپ کی تحریری خدمات ''مؤتمر المصنفین دہلی''، ''مجلس قاسم العلوم دیوبند''، ''استقلال دیوبند'' (اخبار) ''گل فروش'' (اخبار) ''ماہنامہ قائد مراد آباد'' سے خوب ظاہر ہوئیں۔ان خدمات کی بنا پر مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور حضرت سحبان الہندؒ نے روزنامہ ''الجمعیۃ دہلی'' کا ایڈیٹر آپ کو بنادیا۔ساتھ ہی حضرت سحبان الہندؒ کے ادارے "مؤتمر المصنفین"اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے ادارے "ندوۃ المصنفین" میں بطور مؤلف اور مترجم خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۸ءتک آپ دہلی میں رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ''الجمعیۃ'' کی ضمانت ضبط ہوگئی اور اخبار بند ہوگیا۔

''جداگانہ وفاق'' کے عنوان سے آپ کا اداریہ معرکۃ الآراتھا۔اس میں آپ نے انگریز کی تقسیم ہند کی صورت میں منافقانہ پالیسیوں اور تقسیم کے بعد ہندوستان کی جو حالت زار (خصوصاً مسلمانوں کی) متوقع تھی،اس کو اپنی سیاسی بصیرت سے واضح فرمایا تھا۔دسمبر ۱۹۳۸ء میں ''الجمعیۃ'' کی ضمانت ضبط اور اخبار کی بندش کے بعد حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاریؒ نے آپ کو ہفت روزہ ''الہلال'' پٹنہ کی ادارت کے لیے منتخب فرمایا۔ ۱۹۴۰ء تک آپ پٹنہ میں رہے،اس کے بعد آپ لاہور چلے گئے اور ''زم زم'' میں کام کیا، اس کے بعد کچھ عرصہ ''مدینہ'' بجنور میں کام کیا۔

اسی زمانے میں آپ کی امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی۔آپ خود ارشاد فرماتے تھے: ''مولانا آزادؒ نہایت عالی اخلاق کے مالک تھے۔حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے مولانا آزادؒ سے آپ کی ملاقات کے لیے وقت لیا، جو صبح آٹھ بجے کا تھا اورر آپ کو یہ بتلا دیا کہ مولانا آزادؒ وقت کے بہت پابند ہیں، آپ کو بھی پابندی کرنی ہوگی، مولانا آزادؒ نے دس منٹ کا وقت دیا تھا،مگر مولانا ابو المحاسنؒ نے آپ کو یہ نہیں بتلایا تھا،ان کے گھر کے لان میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، آپ جا کر وہیں بیٹھ گئے اور مولانا آزادؒ ٹھیک آٹھ بجے تشریف لے آئے،علیک سلیک کے بعد مولانا آزادؒ نے آپ سے ملاقات کا مقصد پوچھا، آپ نے عرض کیا: ''صرف زیارت'' اس پر مولانا آزادؒ بڑی دیر تک جزاک اللہ کہہ کر شکریہ ادا کرتے رہے۔اس کے بعد مولانا آزادؒ ایک نہایت مشفق استاذ کی طرح آپ کو سیاسیات کا ایک طالب علم سمجھ کر سمجھاتے رہے اور آپ اس وقت تک ان کے پاس بیٹھے رہے جب تک خادم نے اندر سے آواز نہ دے دی کہ جی کھانا حاضر ہے، کیا میں کھانا لگادوں؟ دس منٹ کی ملاقات پانچ گھنٹے پر محیط ہوگئی۔

۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء تک آپ دارالعلوم دیوبند میں فارسی کے استاذ رہے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ کو پاکستان آنا پڑا، آپ کی ہمشیرہ بیمار تھیں، ان کی عیادت کے لیے آئے تھے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کے ''ادارۂ شرقیہ'' میں مدرس رہے۔ ۱۹۴۹ء میں ریڈیو پاکستان سے منسلک ہو گئے۔ ۳۲ سال ریڈیو پاکستان میں کام کیا اور اسلامی موضوعات پر لیکچر دیئے۔ عربی اور فارسی براڈ کاسٹنگ کے فرائض اس کے علاوہ تھے۔ ۶۵-۱۹۶۴ء میں ماہنامہ بینات کراچی سے بھی منسلک رہے۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں تبلیغی کالج (مفتی محمودؒ روڈ) سے منسلک رہے۔

آپ کی مؤلفات اور تراجم میں جو نام معلوم ہو سکے، وہ یہ ہیں:

۱- دارالتصنیف (تبلیغی کالج) کے تحت قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ۔ ۲- اسلامی تمدن اور یورپین تہذیب۔ ۳- امام شافعیؒ کا علمی سفر۔ ۴- تاریخ مذاہب فقہ۔ ۵- اسلامی تصوف۔ ۶- خلفائے راشدینؓ۔ ۷- شریعت بل اور لیگ۔ ۸- صبح اسلام۔ ۹- المنجد (مترجمین کی کمیٹی میں آپ بھی تھے)۔

آپ کو لکھنے کا کتنا ملکہ حق تعالیٰ شانہ نے عطا فرمایا تھا؟ آپ کی اس تحریر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

> ''مولانا اختر اسلام صاحب مدیر مجلّہ قائد مراد آباد ایک عرصے سے مضمون کے لیے اصرار کر رہے تھے، لیکن زمانے کی ستم ظریفی کہوں یا طبیعت کی پراگندگی کہ دو اڑھائی سال کے مسلسل تقاضوں کے باوجود آج تک اپنے اس محترم کے ارشاد کی تعمیل نہ کی جا سکی، اور بالآخر انہی تقاضوں نے اُس طرف خفگی اور اِس طرف حجاب کی صورت اختیار کر لی۔ اس مرتبہ قسمت نے جمعیت کے اجلاس جون پور پہنچا دیا، حجاب و خفگی کی ملی جلی فضا میں مولانا سے بھی ملاقات ہو گئی اور اسی ملاقات کے نتیجے میں آج کئی دن سے مراد آباد میں نظر بند ہوں۔ اختر صاحب کا فیصلہ ہے کہ جب تک میں ایک عدد مضمون لکھ کر ان کے حوالے نہیں کر دوں گا، اس وقت تک مجھے اپنی آزادی کے متعلق اشاداومی نہ ہونا چاہئے۔ تجویز ترمیم کی دسترس سے گزر چکی ہے، خوف ہے کہ کسی مزید ترمیم کا نوٹس لاٹھی چارج کے سامراجی حکم کے لیے وجہ جواز نہ بن جائے، ناچار تعمیل حکم کر رہا ہوں اور اس بے کسی و بے چارگی کے عالم میں کر رہا ہوں کہ تاریخ کی دو ایک کتابوں کے علاوہ مطالعے کے لیے کچھ میسر نہیں ہے''۔ (قائد، جولائی ۱۹۴۰ء، ص: ۹)

آپ اندازہ کیجئے کہ کس حالت میں مضمون لکھا ہو گا؟ صرف سرسری نہیں، بلکہ میرے پیش نظر اس مضمون کی پہلی قسط پندرہ صفحات اور دوسری قسط سات صفحات پر مشتمل ہے، اللہ جانے کہ کتنی قسط میں یہ مضمون مکمل ہوا ہو گا؟ مضمون کی باقی قسطیں نظر سے اوجھل ہیں۔ مضمون کا عنوان ''کاروانِ اسلام ہندوستان کے غربت کدہ میں'' ہے، جو نہایت اہم ہے۔ اسی رسالے میں حضرت مولاناؒ کے ادبی شہ پارے بھی ہیں ''جنگ کے دو چہرے'' کے عنوان سے اور دوسرا ''امن کے دو چہرے'' کے عنوان سے۔

حضرت مولاناؒ کو حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے خانوادے سے عقیدت و محبت تھی، اسی طرح

خانوادۂ مدنی بھی ان کا اکرام کرتا تھا۔ مرشدی حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہم (صدر جمعیت علمائے ہند) ایک دفعہ پاکستان تشریف لائے تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اس سفر میں کراچی صرف تین شخصیتوں کی وجہ سے آیا ہوں: ایک حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ، دوسرے حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ اور تیسرے ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری۔

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف غزنوی مدظلہم حضرت مولاناؒ کے جنازے کے موقع پر بیان فرما رہے تھے کہ میں ابھی حال (مئی ۲۰۱۴ء) میں دیوبند گیا تو سب سے پہلے حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہم نے حضرت مولاناؒ کی خیریت دریافت فرمائی تھی اور واپسی میں کچھ ہدایا حضرت مولاناؒ کے لیے دیئے تھے، جس میں خصوصی طور سے دیوبند کا عطر بھی تھا، جب وہ حضرت مولاناؒ کو پیش کیا گیا تو حضرتؒ نے بڑے تپاک سے اُسے قبول فرمایا، وہ عطر زندگی میں تو نہیں لگا سکے، اس لیے کہ بیماری کی وجہ سے ہسپتال میں تھے، لیکن انتقال کے بعد وہ عطر آپ کے کفن پر استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت مولاناؒ کے نام حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کا ایک گرامی نامہ درج کر رہا ہوں، جو حضرت مولاناؒ نے میری خواہش پر مجھ کو عطا فرمایا تھا، وہ خط یہ ہے:

''عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ..السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف، آپ کے متعدد والا نامہ جات خوش کن اور اندوہ افگن ہر طرح کے آئے۔ میرے عزیز! رنج کرنا نہایت غلطی ہے: مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ۔

تقدیراتِ الٰہیہ میں چوں وچرا، رنج وغم کرنا نہایت غلطی ہے، ہم کو اسباب میں کوشش کرنی چاہئے، ناکامی ہو تو کبیدہ خاطر نہ ہوجئے، اگر ایک دروازہ بند ہوا ہے دوسرا کھلے گا۔ جس نے پیدا کیا ہے رزق دے گا۔

اپنے افعال واقوال شریعت اور سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے مطابق کیجئے۔ وہیں رہ کر مشاغل علمیہ میں مشغول ہو جائیے۔ حضرت قاضی صاحب کے زیر نظر بہت سے مدارس ہیں، بلا تنخواہ کتابیں پڑھائیے، تا آنکہ لیاقت درست ہو جائے:

صبر کن حافظ بسختی روز وشب　　　عاقبت روزے بیابی کام را

جناب قاضی صاحب زید مجدہم اور مولانا ریاض الدین صاحب کی خدمت میں میرا سلام اور استدعاء دعا عرض کر دیجئے۔ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے۔

والسلام......ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ......۱۲رشعبان ۱۳۵۵ھ (۲۷راکتوبر ۱۹۳۶ء)

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی احسان الحق ☆

یادگارِ زمانہ

یاد گارِ زمانہ ہیں ہم لوگ
یاد رکھنا! فسانہ ہیں ہم لوگ

حضرت مولانا سید محمد **اصلح الحسینی** صاحبؒ کا تعلق سادات گلاؤٹھی سے تھا، ''تاریخ گلاؤٹھی'' میں حضرت موصوفؒ اور ان کے خاندان کا تذکرہ تفصیلاً موجود ہے۔ حضرت موصوفؒ سے متعلق مفصلاً تو وہی حضرات لکھیں گے جن کی صحبتیں عرصۂ دراز سے موصوف کے ساتھ رہیں۔ راقم بھی حقِ استادی کی خاطر موصوفؒ کے چند اوصاف سے متعلق کچھ یادگار لمحات زیب قرطاس کرتا ہے:

موصوف کی اصول پسندی اور جامعہ بنوری ٹاؤن سے تعلق:

راقم السطور کی پہلی ملاقات حضرت موصوفؒ سے ان کے گھر پر اجازتِ حدیث کی غرض سے ہوئی تھی، وہاں چند مزید طلباء بھی اپنا اپنا کاسہ لیے موصوف کے سامنے باادب دوزانوں بیٹھے تھے، حضرت موصوفؒ نے سب سے پہلے طلباء سے یہ سوال کیا کہ: اجازت لے کر آئے ہیں، (موصوفؒ کا اصول تھا چاہے جتنے بڑے سے بڑی شخصیت ہو، اجازتِ حدیث لینے میں ان کا اجازت لے کر آنا ضروری تھا، ورنہ موصوفؒ اجازت نہیں دیتے تھے) جب سب سے پوچھ لیا تو ہر طالب علم سے پوچھتے کہ آپ کہاں سے آئے ہیں، آپ کہاں سے آئے ہیں، راقم کی باری آئی تو راقم نے عرض کیا: جامعہ بنوری ٹاؤن سے۔

اجازتِ حدیث دینے کے بعد ایک طالب علم نے حضرت کی ذاتیات سے متعلق کچھ پوچھنا چاہا، تو حضرت موصوفؒ نے فرمایا: فون پہ آپ نے صرف اجازتِ حدیث کے لئے آنے کی اجازت مانگی تھی، ان سوالات کی اجازت نہیں مانگی تھی، آپ حضرات جاسکتے ہیں۔ تمام طلباء کرام واپسی کا مصافحہ کر رہے تھے کہ راقم کی باری آئی تو موصوفؒ نے پوچھا کہ آپ جامعہ بنوری ٹاؤن سے آئے ہیں؟ راقم نے عرض کیا: جی! حضرت موصوفؒ نے فرمایا: آپ بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں، مگر حضرت کے رعب کی وجہ سے مجھ پر ایک کیفیت طاری تھی، میں نے کہا: جانا چاہتا ہوں۔ موصوف کے گھر حاضری دینے والوں کو معلوم ہے کہ موصوف کا جو کمرہ ہے اس کے دروازے سے موصوفؒ کی نشست گاہ (صوفہ) تک چار قدم کا فاصلہ بھی مشکل

☆نائب رئیس تخصص فی الحدیث: جامعہ بنوریہ عالمیہ (سائٹ، کراچی)

سے بنتا ہے، موصوف نے واپس جاتے جاتے کئی بار راقم سے کہا کہ آپ بیٹھ سکتے ہیں، حتیٰ کہ کمرے کا دروازہ کھولتے وقت بھی موصوفؒ نے فرمایا کہ آپ چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ میری کوئی خصوصیت نہیں تھی، بلکہ اس ہر دلعزیز جامعہ کی برکت تھی کہ موصوف نے اتنی شفقت والا معاملہ فرمایا۔

اس پہلی ملاقات کے بعد ایک بار ان کے صاحبزادے جناب سید محمد طٰہٰ اطہر صاحب سے ملاقات ہوئی، پھر ان کے ساتھ ملتان کبیر والہ جانے کا اتفاق ہوا، انہوں نے راقم سے ایک بار کہا کہ: آپ بابا (حضرت مولانا سیّد محمد اصلح الحسینی صاحبؒ) کو بابا کہا کریں اور مجھے بھیا کہا کریں، گویا کہ انہوں نے مجھے بھائی بنا لیا، پھر تو ان کے گھر آنا جانا معمول بن گیا تھا۔ مشاہیر وقت جس در پر اجازت لے کر حاضر ہوتے ان کے صاحبزادے کی اعلیٰ ظرفی سے راقم بغیر اطلاع کیے آستانہ مبارک پر قدم بوسی کا شرف حاصل کر لیتا۔

موصوف کا انداز تربیت:

حضرت موصوفؒ کا انداز تربیت بھی بہت نرالا تھا، ایک موقع پر راقم سے دریافت کیا: کہاں سے تعلق ہے؟ قریب بیٹھے ایک شخص نے جواب دیا کہ پاپوش نگر کے رہائشی ہیں۔ حضرت موصوفؒ نے نہایت ناراضگی کا اظہار فرما کر کہا: میرے سوال کا یہ مقصد نہیں، بلکہ آبائی تعلق کہاں سے ہے؟ یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔

ایک موقع پر موصوف اپنی حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی میاں حسنی ندویؒ سے پہلی ملاقات کا ذکر فرما رہے تھے کہ ''تکیہ شاہ علم اللہ'' میں ہوئی تھی۔ ایک شخص نے اس تکیہ شاہ علم اللہ کے متعلق کوئی سوال کرنا چاہا، مگر سوال کرتے ہوئے عَلم اللہ کو عِلم اللہ کہہ دیا، حضرت موصوفؒ نے اس پر بھی کافی برہمی کا اظہار فرمایا اور اصلاح فرمائی کہ عِلمُ اللہ نہیں عَلم اللہ ہے۔

موصوف اور نزاکتِ طبع:

موصوف کی مزاج میں نازکی بھی غضب کی تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار بھیا (حضرت کے صاحبزادے) نے راقم سے کہا: احسان! آؤ نائی کو بلا لائیں، بابا کے بال بنوانے ہیں۔ راقم لبیک کہتا ہوا ساتھ ہو لیا۔ نائی آیا اور بال بنا کر چلا گیا، راقم اور حضرت موصوف اتفاقاً کمرے میں اکیلے رہ گئے، حضرت نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ: ایک طرف سے بال چھوٹے لگ رہے ہیں۔ راقم نے جواباً ''جی'' عرض کر دیا۔ موصوف نے اپنے صاحبزادے کو بلا کر پوچھا: ایک طرف سے بال چھوٹے ہیں؟ اُنہوں نے کہا: نہیں 'بابا' بالکل برابر ہیں۔ حضرتؒ نے اپنے اطمینان کے لیے شیشہ منگوا کر دیکھا، تسلی نہ ہونے پر بھیا نے نائی کو دوبارہ بلوایا اور حضرت نے نائی سے کہا کہ: مشین پھیر دو!

موصوف اور علم ادب:

موصوف کو علم ادب سے کافی شغف تھا، اور اشعار بھی شاعروں کے طرز پر سلیقہ مندی سے پڑھتے

تھے۔عربی،اردو،فارسی میں مہارت تھی۔عربی میں مہارت کی دلیل موصوف کے الحکماء المسلمون کے عنوان سے لکھے گئے مضامین ہیں اور فارسی پر دسترس کی دلیل یہ ہے کہ موصوف ایسے ایسے فارسی شعراء کے کلام سناتے تھے کہ ان کا نام اور کلام راقم حضرت موصوف سے ہی پہلی بار سنتا۔اور اردو پر عبور کے لئے یہ شہادت کافی ہے کہ موصوف ہندوپاک کے اہم علمی جرائد کے مدیر رہے ہیں۔خصوصاً ہمارے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن (سابق مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن) کے ترجمان ماہنامہ بینات میں بھی ادارت کی ہے۔

موصوف اور گوشہ نشینی:

موصوف نے ایک عرصہ گوشہ نشینی وگمنامی میں گذارا،مگر جس کے مقدر میں اللہ جل وعلیٰ نے موصوف سے فیض پہنچنا لکھ دیا تھا وہ کسی نہ کسی طرح موصوف تک پہنچ گیا۔موصوف قریب تھا کہ حلقہ گمنامی سے نکل جاتے مگر اللہ تعالی کو کچھ اور منظور تھا،اسی لیے اپنے پاس بلالیا۔

موصوف اور نماز:

اکثر نمازیں حضرت موصوف کے ساتھ پڑھنے کا اتفاق ہوا،موصوف کا اس ادھیڑ عمر میں بھی کھڑے ہوکر نماز پڑھنا،سبحان اللہ! کیا منظر ہوتا تھا،یہ کیفیت اسی شخصیت ہی کی ہوسکتی ہے جو'' **أن تعبد الله كأنك تراه ، فان لم تراه فانه يراك** '' کی کیفیت سے متصف ہو،موصوف کے پیرو مرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی بھی یہی کیفیت تھی کہ آخری عمر میں بھی وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے،جب کہ ڈاکٹروں کے مطابق ان کا اِنتقال ہوگیا تھا۔اور یہ کیفیت حضرت شیخ الاسلام کی کیوں نہ ہوتی کہ حضرت شیخ الہند کی گود سے انہوں نے کبھی رخصت پر عمل کرنے کا سبق نہیں سیکھا تھا۔

موصوف کا جنازہ:

موصوفؒ کے جنازے کا منظر بھی عجیب تھا۔راقم کے بڑے بھائی نے موصوف کی وفات کی خبر سنائی اور نماز جنازہ کا وقت بتایا تو ذہن میں تھا کہ وہاں شاید تل دھرنے کی جگہ نہ ہو،(کیونکہ ایک عرصہ اپنے جامعہ بنوری ٹاؤن کے اساتذہ کے جنازے دیکھ چکا تھا) مگر وہاں نماز کے بعد شاید امام صاحب کو کسی نے اِطلاع نہیں دی تھی کہ جنازہ کس کا ہے،اُنہوں نے یہ اعلان کیا کہ:بقیہ نماز کے بعد ان شاء اللہ جنازہ کی نماز ادا کی جائے گی۔اساطینِ علم اس اعلان پر انگشتِ بدنداں رہ گئے،کہ اس عظیم المرتبت شخص کے جنازے کا یہ اعلان؟ نماز کے بعد حضرت موصوفؒ کے ایک خلیفہ نے راقم سے کہا کہ اعلان میں یہ تو بتاؤ کہ کن کا انتقال ہوا ہے، (کیونکہ موصوف کا بھی جامعہ پر ایک حق تو تھا) راقم جلدی سے جنازہ گاہ کی طرف گیا،جہاں حضرت مولانا مفتی

لئیق احمد اسعدی صاحب آلہ جہیر الصوت لئے کھڑے تھے، انہیں حضرت موصوف مرحوم کا مختصر تعارف کرانے کو کہا، اُنہوں نے ابھی چند الفاظ ہی کہے تھے کہ مولانا مفتی عبدالرؤوف غزنوی صاحب زیدہ مجدہٗ نے موصوف کا ''مختصر پراثر تعارف'' کرایا، ان کی آواز اور اس اعلان کو سنتے ہی منتشر مجمع جمع ہوگیا، نماز جنازہ شاگرد حضرت مدنیؒ حضرت ڈاکٹر علامہ عبدالحلیم چشتی صاحب نے پڑھائی، اور جنازے میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے ایک دوسرے شاگرد فاضل و مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی اکبر علی اسلام آبادی زیدہ مجدہٗ (سابق نائب مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن، حالیہ بنوری ٹاؤن) بھی تشریف فرما تھے۔

لوگوں کے اِصرار پر جنازہ کے بعد کافی دیر تک موصوف کا دیدار کرایا گیا، پھر'' پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر'' کے مصداق بن کر اپنی ہمشیرہ رحمۃ اللہ علیہا کے پہلو میں گلستانِ جوہر کے ایک قبرستان میں دفن ہوئے۔ اللہ مرحوم پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

حضرت موصوفؒ اپنے ہم درس ساتھیوں میں سے آخری تھے جن کا انتقال ۱۰۳ رسال کی عمر میں ہوا، موصوفؒ سے ملاقات کے بعد کافی عقدۂ لاینحل حل ہوئے، واقعی وہ اس دور کے ''یادگارِ زمانہ'' تھے جن کی قدر اس مادی دور میں ہم سے نہ ہوسکی۔

آج بھی کبھی تنہائی میں سوچتا ہوں کہ یہ حقیقت تھی یا فسانہ کہ ہم میں ان جیسی عبقری شخصیت بھی موجود تھی، جو ہمارے لئے سوسالہ یادگار تھے، پھر قوت متخیلہ موصوف کی ایک صورت بناتی ہے جس میں موصوف ترنم کے ساتھ مصحفی کے شاگرد نورالاسلام منتظر لکھنوی کا یہ شعر پڑھتے ہوئے سامنے آجاتے ہیں۔

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ   یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

نواسۂ امام اہل سنتؒ قاری حبیب الرحمٰن صاحب کا انتقالِ پُر ملال

حضرت امام اہل سنتؒ کے نواسے، ہماری بڑی پھوپھو صاحبہ کے فرزند، محترم حاجی سلطان محمود صاحب کے صاحب زادے جناب قاری حبیب الرحمٰن صاحب گزشتہ ماہ ۴۵ رسال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔ موصوف ایک دن قبل ہی اپنے گاؤں اچھڑیاں [مانسہرہ] سے گجرات پہنچے تھے، صبح نماز کے بعد سوئے، گیارہ بجے بیدار ہوکر مسجد میں آئے، پانی مانگا، چند گھونٹ پیتے ہی قے ہوگئی، وہیں مسجد میں لیٹ گئے اور جان سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ پاک اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے ہم سب کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔ جملہ قارئین صفدر سے بھی خصوصی دعا اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

احسن خدامی۔ حمزہ احسانی

محمد فاروق قریشی

اک ستون اور گرا، ایک چراغ اور بجھا

گلشن مدنی کا گل سرسبد کملا گیا اور علم و معرفت کا ایک اور چراغ بجھ گیا۔ مولانا سید محمد اصلح الحسینی گزشتہ جمعہ (۶ر جون ۲۰۱۴ء) کو حیاتِ مستعار کی ایک سو بہاریں دیکھنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ علمائے حق کے سرخیل اور کاروانِ ولی اللہی کے قافلہ سالار تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معرفت کا پرتَو، فقیہ ملت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی اصابت و فقاہت کا مرقع اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی بصیرت اور بصارت و شجاعت کے امین تھے۔ ایسی مجموعہ محاسن و مرقع کمال شخصیت کی کوئی دوسری مثال نہیں۔ شیخ الہند کی جانشینی کا حق ایسی پامردی سے ادا کیا کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث سے لے کر دار و رسن تک عزیمت و استقامت کے چراغ روشن کرتے چلے گئے، جو آج بھی راہ روانِ شوق کے لیے قندیل راہ کی طرح جگمگا رہے ہیں ۔

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

حضرت شیخ الاسلام بے نظیر محدث اور عارف باللہ ہی نہیں بلکہ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے انہوں نے انگریزی سطوت کو اس وقت للکارا جب جغادری سیاست دان اور راہنمایانِ قوم رخصت پر عمل کرتے ہوئے عافیت کدوں کی زینت بنے ہوئے تھے۔ آزادئ وطن کے لیے انگریزی جبروت سے ٹکرانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن وہ مؤمنانہ شان کے ساتھ بلا خوف و خطر یہ فریضہ انجام دے رہے تھے ۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے مجاہدانہ اطوار اور فراستِ مؤمنانہ سے مزین عظمتِ کردار کے پیش نظر مولانا ظفر علی خانؒ نے دارالعلوم کے بارے میں اپنی معرکۃ الآراء نظم میں برملا کہا ہے ۔

گرمئ ہنگامہ تیری ہے حسین احمد سے آج
جن سے پرچم ہے روایاتِ سلف کا سربلند

حضرت شیخ الاسلام اپنی گونا گوں صفاتِ عالیہ کے باوصف ایسا پارس تھے کہ پتھر بھی مس ہوجاتا تو ہشت پہلو ہیرے کی شکل میں ڈھل جاتا۔ مولانا سید محمد اصلح الحسینی بھی اس پارس کو چھو کر ہیرا بن گئے تھے۔

بلند شہر بھارتی صوبہ یوپی کا معروف ضلع ہے۔ اس مردم خیز علاقہ کا قصبہ گلاؤٹھی مولانا کی جائے پیدائش ہے۔ فقیہ ملت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کے دامن عقیدت سے وابستہ اور مرید باصفا محمد صالح کو اللہ تعالیٰ نے اولادِ نرینہ سے نوازا جس کا نام انہوں نے سید محمد اصلح رکھا۔

سید محمد اصلح نے دستورِ زمانہ اور خانگی ماحول کے مطابق ابتدائی تعلیم میٹرک اور درجہ مشکوٰۃ تک گلاؤٹھی میں حاصل کی۔ دورہ حدیث کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ دارالعلوم علوم ومعرفت کی کہکشاں سے منور تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے علاوہ مولانا اعزاز علی، مولانا میاں اصغر حسین، مولانا عبدالسمیع، مولانا رسول خان اور حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی ایسے ستارے تھے۔ جن سے نوجوان سید محمد اصلح نے اکتسابِ فیض کیا۔ دورہ حدیث کی تکمیل ہوئی تو استاذ محترم کی جدائی گوارا نہ ہوئی اور گھر لوٹنے کی بجائے حضرت شیخ الاسلام کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر بقیہ زندگی ان کے نام کردی۔

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے، کیا رہائی ہے!

درس نظامی کی تکمیل کے بعد دارالعلوم دیوبند میں فارسی کے استاذ کے طور پر تقرر ہوگیا اور یوں تدریس کے ساتھ اپنے شیخ کی رفاقت میسر آگئی، اس طرح علوم ومعرفت کی راہیں کشادہ اور سہل ہوتی چلی گئیں۔

مجھے سہل ہوگئیں منزلیں، وہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے
تیرا ہاتھ ہاتھ میں آگیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

سید محمد اصلح جو حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی نسبت سید محمد **اصلح الحسینی** ہوگئے تھے، نے وقت کے عظیم علمائے کبار سے فیض حاصل کیا لیکن اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دجلہ علوم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ایسے بزرگوں کی زیارت وصحبت سے بھی مالا مال رہے ہیں۔

فراغت تعلیم سے ہی جمعیت علمائے ہند کی جدوجہد سے وابستہ ہوگئے۔ تدریس کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت کو شعار بنالیا۔ جمعیت علمائے ہند کے صدر کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام مسلسل اسفار میں رہتے، مولانا اصلح الحسینی بھی حتی المقدور ایک خادم اور رفیق کی حیثیت سے حضرت کے ہمراہ رہتے۔ سفر وحضر کی رفاقت کا سلسلہ تیس برس پر محیط ہے۔ ان تیس برسوں میں کیسے کیسے واقعات بیت گئے اور کیا کیا قیامتیں بپا ہوئیں وہ ایک ایک لمحے کے امین تھے لیکن افسوس قلم کار ہوتے ہوئے بھی وہ قلمبند نہ کرسکے۔ اپنی سرگزشت لکھتے تو بڑی خاصے کی چیز ہوتی۔ جمعیت علمائے ہند کے فورم سے اُن کی جدوجہد

قابل قدر تھی۔اپنی خدمات اور اہلیت کی بنا پر جمعیت علمائے ہند کے مرکزی ناظم تک پہنچے۔یہ مقام ومنصب علماء کے اعتماد اور عوامی پذیرائی کا مظہر تھا۔جمعیت علمائے ہند کا ترجمان روزنامہ ''الجمعیۃ'' ملک کا مقبول و معروف مجلّہ تھا۔اس کی طلب ہندوستان کے کونے کونے میں تھی۔آزادیٔ برصغیر کی سیاسی جدوجہد اپنے عروج پر تھی، اس طرح ''الجمعیۃ'' اپنے دور کا معروف اخبار تھا۔مولانا اصلح الحسینی فارسی اور اردو کے شاعر اور خوبصورت انشاء پرداز تھے۔گاہے گاہے ان کا کلام اور شذرات مختلف جرائد میں شائع ہوتے رہتے، لیکن مستقل تدریس اور سیاسی مصروفیات نے اس جوہر کو مکمل کھلنے کا موقع نہ دیا، تقریباً ۳ ر برس الجمعیۃ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں، مگر انہوں نے ان چھپی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کی بجائے شیخ کی خدمت و رفاقت کو حرز جاں بنائے رکھا، حضرت شیخ الاسلام سے تعلق خاطر کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی شادی کا اہتمام بھی حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے کیا تھا۔

تقسیم ہند کے بعد بیمار ہمشیرہ کی عیادت کے لیے کراچی آئے، باوجود کوشش کے پاکستان سے بھارت نہ جاسکے۔دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ نے اپنے استاذ کا انتظار کیا اور بالآخر ایک سال بعد ان کی جگہ پر کردی گئی اور حضرت مولانا اصلح الحسینی پاکستان کی رونق ہوگئے۔ابتداء میں جہانگیر روڈ کے کوارٹرز میں مقیم رہے، بعدازاں گلشن اقبال میں قیام پذیر ہوگئے پاکستان میں جماعتی وسیاسی جدوجہد کی بجائے اصلاح و ارشاد کی راہ پر گامزن رہے۔حضرت شیخ الاسلام کے خلیفہ مجاز حضرت پیر خورشید صاحب (عبدالحکیم ضلع خانیوال) سے دامن ارادت وابستہ کرلیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔حضرت پیر خورشید احمد صاحبؒ وقت کے علمائے کبار میں نمایاں اور عارف باللہ تھے۔پاکستان میں حضرت شیخ الاسلام کے افکار کے امین اور کردار کی عظمت کا نشان تھے، ۱۹۷۰ء میں علاقے کے وڈیرے جاگیرداروں کے مقابل جمعیت علمائے اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا تھا۔

مولانا سید محمد اصلح الحسینی نے سیاسی اور تحریری میدان کی بجائے دعوت وارشاد کو اپنایا اس لیے زیادہ معروف نہ ہوسکے۔ان کا حلقہ اثر ایک محدود طبقہ تک محدود رہا۔حضرت شیخ الاسلام سے محبت و عقیدت میں تادم آخر کوئی کمی نہ آسکی۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو کراچی میں حضرت قاری شریف احمدؒ اور حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ کی زیارت وملاقات لازمی کرتے۔

ان کی وفات سے حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے براہِ راست فیض یافتگان کی تعداد معدودے چندرہ گئی ہے۔جمعہ ۶ ر جون کو ہجری سال کے اعتبار سے ۱۰۳ ر اور عیسوی سال کے اعتبار سے مکمل ایک سو برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔ ☆☆☆☆

مولانا امیر جان حقانی، گلگت

مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ کے ساتھ ایک ملاقات

الحمدللہ ! اپنے مشاغل کا ایک بڑا حصہ اکابر علماء دیوبند سے ملاقاتیں، ان سے انٹرویوز اور مرحوم اکابرین کی آپ بیتیاں اور سوانح عمریاں پڑھنے اور جن جن سے ملاقاتیں ہوئی ہیں ان کے اوصاف حمیدہ اپنی بے بضاعتی کے باوجود لکھنے کا اہتمام کرتا ہوں۔ اس خوبصورت مشغلے سے اپنی اصلاح بھی ہوتی ہے اور اکابر کی خدمات بھی کسی نہ کسی پیرائے میں عامۃ الناس تک پہنچتی ہے۔ ان ملاقاتوں میں ایک ملاقات شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ایک تلمیذ رشید کے ساتھ ۱۴/ جولائی ۲۰۱۰ء کو بروز بدھ کراچی میں ہوئی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں جامعہ فاروقیہ کراچی میں دورہ حدیث میں زیر تعلیم تھا اور ساتھ ساتھ یونیورسٹی سے ماس کمیونیکیشن (ایم اے صحافت) بھی کر رہا تھا اور سہ ماہی خیر کثیر لاہور کے کافی سارے ادارتی کام میرے ذمے تھے، اس لیے اساتذۂ کرام سے بڑا اچھا دوستانہ تھا۔ جامعہ فاروقیہ کے شعبہ تخصص فی الحدیث میں ایک نگران استاد تھے۔ ان کا نام مولانا ساجد صدوی تھا۔ میری غیر نصابی یعنی تحریری ایکٹیویٹیز پر وہ بہت خوش ہوتے تھے اور ساتھ ساتھ میری باغیانہ سوچ پر برہم بھی۔ اکثر و بیشتر مجھے سمجھاتے اور اکابر کی یادگار باتیں بھی سنایا کرتے تھے۔ ان کو ڈر تھا کہ کہیں میں پٹری سے کھسک نہ جاؤں۔ یہ عصر کا وقت تھا۔ اگلے دن وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحانات میں شمائل ترمذی کا پرچہ تھا۔ حضرت مولانا ساجد صدوی صاحب نے نماز کے بعد ہاتھ پکڑ کر کہا کہ چلیں، آج آپ کو ایک ایسے عالم دین سے ملاتا ہوں جو بہت بڑے ادیب، شاعر اور صحافی بھی ہیں۔ حضرت مدنیؒ کے خادم خاص ہیں اور شعر و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور روزنامہ الجمعیۃ انڈیا میں ادارتی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ اس سب سے کر بڑھ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے افکار و نظریات کے امین ہیں اور ان کے مرید خاص بھی۔ اپنے اندر ایک نرم دل رکھتے ہیں۔ امت کے لیے درد ہے۔ اس متعفن دور میں سیاسی آلائشوں سے اپنے آپ کو دور رکھ کر صرف دعوت و ارشاد کے لیے صرف کر رکھا ہے اپنی زندگی کو۔ میں نے جب یہ سب کچھ سنا تو حضرت سے ملنے کے لیے بے تاب ہونے لگا مگر ظاہری تصنع اپناتے ہوئے کہا کہ حضرت کل پرچہ ہے، کیا ہوگا؟ تیاری کرنی ہے۔ مولانا نے کہا کہ آپ کے لیے کون سا مشکل ہے۔ جو ذہن میں آیا لکھ ڈالو۔ کون سا تم نے سال بھر پڑھا ہے جو آج ایک رات میں پڑھ لوگے۔ خیر ہم ٹیکسی پکڑ کر حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ کی رہائش گاہ

گلشن اقبال کی طرف چل پڑے۔ حضرت مدنیؒ کے جن جن تلامذہ سے ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ بہت شان دار تھیں۔ دل میں ایک چھپا احترام تھا، اپنی ایک محبت تھی کہ حضرت مدنیؒ کے شاگرد کیسے بے نفس لوگ ہیں۔ انہی خیالات میں مگن حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے سکونت پر پہنچ گئے۔ اللہ اللہ کیا دیکھتا ہوں کہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نگران تخصص فی الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب ایک طالب علم کے ساتھ موٹر سائیکل پر تشریف لا رہے ہیں۔ میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کے اتنے ضعیف العمر اور صاحب علم وعمل انسان ایک طالب علم کے ساتھ موٹر سائیکل میں اتنا دور کا سفر کر رہے ہیں۔ دل نے گواہی دی کہ یہی اکابر دیوبند کی خصوصیات ہیں۔ علیک سلیک کے بعد ہم سب حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ کے حجرۂ خاص میں پہنچ گئے۔ بات چیت شروع ہوئی۔ مولانا ساجد صدوی صاحب نے حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ سے مجھ ناچیز کا اچھا تعارف کروایا اور ساتھ ساتھ دعا کی درخواست بھی کی۔ حضرت نے اپنے کانپتے ہاتھ اُٹھا کر اللہ کے حضور دعا کی کہ ''اے اللہ ان طالب علم سے دین کا کام لیں''۔ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ نے اپنے بیتے دنوں کی یادیں معطر کر کے ہمارے سامنے رکھ دیں۔ حضرت مدنیؒ کا ذکر کر کے رو پڑے۔ مجھ گناہ گار سے بھی آنسو نکلنے لگے۔ یہ مجلس بہت طویل ہوئی۔ نماز مغرب حضرت کے حجرہ میں مولانا ساجد صدوی صاحب کی اقتداء میں ادا ہوئی۔ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی صاحب دارالعلوم دیوبند میں گزرے ایام بھی رقت آمیز انداز میں سناتے۔ تحریک ریشمی رومال، جمعیۃ الانصار اور جمعیۃ علماء ہند کی حسین یادیں اب تک ان کے دل و دماغ میں محفوظ تھیں وہ ان تمام اداروں، پارٹیوں اور شخصیات سے کٹ کر محبت کرنے والے تھے۔ روزنامہ الجمعیۃ کے حوالے سے کافی ساری باتیں مجھے خصوصی طور پر بتائیں تاکہ میں آئندہ عملی صحافتی زندگی میں اکابر کی روش اختیار کر کے راہِ مستقیم سے نہ ہٹوں۔

اصل میں عمومی طور پر ہمارے اکابر اور اساتذہ کو فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ ان کے پیروکار اور متعلقین دینی علوم کے حصول کے بعد دنیاوی چکاچوند دیکھ کر اپنا اصل مشن اور مطلب چھوڑ کر، کہیں دور نکل جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات اتنا دور نکلتے ہیں کہ واپسی ممکن نہیں ہوتی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ اتنی اچھی اردو بولتے تھے کہ دل کرتا تھا سنتے چلے جاؤ، دوران گفتگو عربی اور فارسی کے اشعار بھی پڑھتے تھے۔ کراچی میں دینی خدمات کے حوالے سے اور مدارس کے کردار کے حوالے سے بھی بہت خوش نظر آرہے تھے۔ بے راہ روی اور بے حیائی پر دل گرفتہ تھے۔ اور چاہتے تھے کہ علماء کی کوئی زبردست جماعت بے حیائی اور بے راہ وری کے خلاف زبردست تحریک چلائے۔ وعظ ونصیحت کے ذریعے عامۃ الناس میں اس کے نقصانات بیان کرے۔

حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی صاحبؒ کا ایک واقعہ بھی سنایا۔ کہنے لگے کہ ''وہ مدینہ منورہ میں تھے، علماء وطلباء کا بڑا ہجوم ان سے درس لیا کرتا تھا، ایک دن میں بھی عصر کے بعد ان کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اتنے میں حضرت مولانا بنوریؒ تشریف لائے۔ حضرت میرٹھیؒ نے حضرت بنوریؒ کو خاص عز وشرف سے بخشا اور ان سے خلوت میں بھی لمبی بات کی۔ مجھے یہ سب کچھ ناگوار گزرا اور دل میں ارادہ کیا کہ آئندہ ان کی مجلس میں نہیں آؤں گا۔ خیر آخر میں، حضرت میرٹھیؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں نے آپ کا وقت لیا مگر آپ کو زیادہ وقت نہیں دے سکا۔ اگلے دن میں نے اپنے اوپر جبر کر کے ان کی محفل میں حاضری دی۔ وہ صاحب کشف بزرگ تھے۔ اختتام مجلس پر تمام احباب ومتوسلین کو رخصت کیا اور مجھے بیٹھنے کو کہا۔ جب سب چلے گئے تو مجھے کہا کہ قریب آجاؤ۔ میں ان کے قریب گیا تو زور سے بھینچا اور اپنے سینۂ انور کے ساتھ میرا سینہ لگایا اور عربی میں کوئی وظیفہ پڑھنا شروع کیا۔ دیر تک پڑھتے رہے۔ پھر مجھ سے کہا کہ وعدہ کرو کہ حرم مبارک کا کپڑا پکڑ کر میرے لیے دعا کرو گے۔ ان کے اصرار پر میں نے وعدہ کیا اور پھر حرم کا کپڑا پکڑ کر ان کے لیے دعا بھی کی''۔

قارئین! اس ملاقات کے تیسرے دن بعد میں کراچی سے اپنے گھر روانہ ہوا اور پھر مستقل یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ دوبارہ اب تک کراچی کا سفر نہیں ہوا۔ اللہ کا کرنا دیکھو کہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہوا کہ آخری آیام میں حضرت مدنیؒ کے ایک تلمیذ رشید کے ہاتھ چومنے کو ملے اور دعائیں لینے کا موقع ملا۔ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ وہ عظیم انسان تھے جن کو حضرت تھانویؒ اور حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسے عظیم اولیاء اللہ اور اصحاب علم کی زیارت کے ساتھ ان کی اچھی صحبت بھی نصیب ہوئی تھی۔

الحمدللہ فی زمانہ اتباع سنت میں علماء دیوبند کا کوئی ثانی نہیں۔ راہ مستقیم اور درست عقائد میں سخت جان ہیں۔ زیغ وضلالت اور نئے نئے فتنوں کا جس کاریگری سے ہمارے اکابر دفاع کرتے آئے ہیں اس کا مظہر کہیں نہیں ملتا۔ دیوبند کے ایک ایک تربیت یافتہ کی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہر میدان میں ناقابل فراموش خدمات ہیں۔ دین اسلام کو غلبہ دین یعنی لیظھرہ علی الدین کلہ کے لیے یہ حضرات ہمہ دم میدان عمل میں رہتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی، اصلاحی، تبلیغی اور جہادی فیضان اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اس کا ہر ہر تربیت یافتہ تحریک کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ بھی اسی فیضان کا ایک حصہ تھے۔ حضرت والاؒ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہم جیسے گناہ گار لوگوں کے لیے حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ کا وجود ایک مشعل کی طرح تھا۔ وہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اللہ انہیں علیین میں اپنے اخص الخاص لوگوں میں جگہ دے اور ہمیں بھی ان بزرگوں کے طفیل سے معاف فرما دے۔ آمین یارب العالمین

☆......☆......☆......☆

مولانا سید زین العابدین☆

مولانا اصلح الحسینیؒ......اخبارات کی نظر میں

روزنامہ اسلام کراچی: بزرگ عالم دین مولانا سید محمد اصلح الحسینی انتقال کر گئے۔

مولانا سید حسین احمدؒ مدنی کے شاگرد رشید اور خادم خاص شیخ المشائخ مولانا سید محمد اصلح الحسینی ۱۰۴ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ مرحوم دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مدرس رہے۔ ان کے تلامذہ میں مولانا نصیر احمد خانؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا ریاست علی بجنوری حال استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا عبید اللہ انورؒ، الحاج محمد ولی رازی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جب کہ ان کے خلفائے مجاز میں مولانا سید ارشد مدنی حال استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالمجید لدھیانوی امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی استاذ حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن اور مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ شامل ہیں۔

مرحوم کی نماز جنازہ بعد نماز مغرب جامعہ بنوری ٹاؤن میں جامعہ بنوری ٹاؤن اور جامعۃ الرشید کے استاذ حدیث مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی نے پڑھائی۔ دریں اثناء مولانا کی وفات پر مدینہ منورہ سے قاری شبیر احمد، دار العلوم دیوبند سے مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا انوار الرحمٰن سمیت تمام اساتذہ وانتظامیہ نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے مولانا کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی۔

دریں اثناء دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور سابق استاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمدؒ مدنی کے تربیت یافتہ اور تیس سالہ رفاقت سفر وحضر کے خادم مولانا سید محمد اصلح الحسینی کی رحلت پر مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان کے صدر قاری رشید، جنرل سیکریٹری ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، ناظم نشر واشاعت مولانا قاری حافظ تنویر احمد شریفی، نعمان محمد امین، مولانا محمد عابد، مفتی محمودؒ اکیڈمی کے ڈائریکٹر محمد فاروق قریشی، مفتی لئیق احمد اسعدی، مفتی محمد نعیم اسعدی، مولانا حسن الرحمٰن یوسفی اور دیگر علماء کرام نے دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ اپنے مشترکہ بیان میں اُنہوں نے کہا کہ مولانا کی رحلت سے اکابر دیوبند کی تربیت کی ایک عظیم نشانی سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول اور ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ اور پسماندگان ومتوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (۷،۸/جون ۲۰۱۴ء)

روزنامہ جنگ کراچی:

کراچی (پ ر) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے امیر مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، مولانا مفتی خالد محمود، مولانا قاضی

☆مدرس: مدرسہ امام ابو یوسف، شادمان ٹاؤن، کراچی

احسان احمد اور محمد وسیم غزالی نے دارالعلوم دیوبند کے فاضل، استاد اور مولانا سید حسین احمدؒ مدنی کے شاگرد، ماہنامہ بینات کراچی کے مدیر معاون مولانا محمد اصلح الحسینی کے انتقال پر دلی دکھ اور اظہار تعزیت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ان کے درجات کی بلندی اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کی دعا کی۔(۱۹؍جون ۲۰۱۴ء)

ہفت روزہ القلم پشاور:

ہر آنکھ کو پرنم کرتا ہوا وہ عالم کا محبوب گیا
سب اہل صفا یہ کہتے ہیں تقوی کا سورج ڈوب گیا

شیخ المشائخ مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ نے بھی (۱۰۳؍سال کی عمر میں) اس دارفانی کو الوداع کہا، موصوف کے خلفاء میں جید علماء کرام شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک موصوف کو جنت الفردوس عطا فرمائے، ان کے جمیع لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ان نیک وصالحین کی پے درپے اموات سے ایک روایت (جسے اکثر محدثین نے علامات قیامت میں ذکر کیا ہے) یاد آئی: ترجمہ: حضرت مرداس اسلمیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے، جیسے چھٹائی کے بعد جو ردی کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں، ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

سعود عثمانی نے کیا خوب کہا ہے ؎

رنج کتنا بھی کریں ان کا زمانے والے
جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے
کیسی بے فیض سی رہ جاتی ہے دل کی بستی
کیسے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے

(ہفت روزہ القلم شمارہ ۴۵۲)

ماہنامہ انوار مدینہ لاہور:

۶؍جون ۲۰۱۴ء بروز جمعہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، جمعیت علمائے ہند کے سابق رہنما، روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے سابق ایڈیٹر، ماہنامہ بینات کراچی کے ابتدائی دور کے معاون مدیر، ادیب اور کہنہ مشق صحافی حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی رحمہ اللہ طویل علالت کے بعد کراچی میں انتقال فرما گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ میں حضرت مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کرائی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین (جولائی ۲۰۱۴ء)

☆☆☆☆

احسن خدامی

حرمین کی بہاریں

پھر یاد آ رہی ہیں حرمین کی بہاریں
دل کو ستا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
لبیک کے ترانے، صل علیٰ کے نغمے
مجھ کو رُلا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
بیگانۂ محبت، بے کیف زندگی تھی
الفت سکھا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
اسرارِ بندگی سے، آدابِ عاشقی سے
پردہ اٹھا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
ہر لمحہ، ہر گھڑی یہ محسوس ہو رہا ہے
مجھ کو بلا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
سرکارِ دوجہاں کے یارانِ با وفا کے
قصے سنا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
اونٹوں کے قافلے جو نکلے تھے کل یہاں سے
ان کو بلا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
قدوسیوں کے لشکر جانے کہاں ہیں یا رب
دردیں جگا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
دردِ فراق سے ہم آنسو بہا رہے ہیں
اور مسکرا رہی ہیں حرمین کی بہاریں
غمگین دل کو احسن، لاتقنطوا کا مژدہ
ہر دم سنا رہی ہیں حرمین کی بہاریں